قرآن و حدیث سے اجتہاد کی شرعیت اور حنفی مذہب
کے متعلق مفید معلومات پر مشتمل مختصر اور جامع رسالہ

اجتہاد

اور

مذہب حنفی کی حقیقت

تالیف
مفتی علی الرحمٰن فاروقی
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

پسند فرمودہ
حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
ادارۃ العلم والارشاد
جونا مارکیٹ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

نام کتاب:......اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت

مؤلف:............ علی الرحمٰن فاروقی

طبع اوّل:............ ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۹۹۹ء

طبع دوم:............ ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۶ء

کمپوزنگ:............ الفارس دارالکتابت۔ (مولانا) ممتاز احمد فاروقی۔

رابطہ نمبر: 0321-2108752

ملنے کے پتے

مکتبہ العلوم بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ لدھیانوی بنوری ٹاؤن کراچی

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

درخواستی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ المعارف نزد بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ زکریا بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ البخاری بہار کالونی کراچی

مکتبہ عمر فاروق۔ نزد جامعہ فاروقیہ کراچی

نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

مدرسہ ارشاد العلوم یوسفیہ کھتری مسجد کراچی

فہرست مضامین

اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت

انتساب

دارالعلوم دیوبند کے ان نامور سپوتوں کے نام جنہوں نے ہر دور میں نامساعد حالات کے باوجود اسلام کا چراغ روشن رکھ کر راہِ حق کے مسافروں کیلئے روشنی کا مینار ہونے کا ثبوت دیا۔

تقریظ (طبع اوّل)

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی صاحب شہید رحمہ اللہ

سابق شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵۔

قرآن وحدیث میں بہت سارے مسائل منصوص طور پر مذکور ہیں اور بہت سارے مسائل ایسے ہیں کہ جو صراحۃً اور منصوص طور پر مذکور نہیں ہیں۔

ان غیر منصوص مسائل کا حکم معلوم کرنے کیلئے مجتہدین کے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد مجتہدین امت نے (جن میں صحابہ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے مجتہدین شامل ہیں) اس سلسلے میں اجتہاد کر کے امت کی رہنمائی کی۔ اوران غیر منصوص مسائل کا حکم قیاس استحسان اور مراتب دلالت تنقیح مناط، تحقیق مناط اور تخریج مناط کے طریقے پر معلوم کر کے ایک مرتب نظام کی شکل میں امت کے سامنے پیش کیا اس کے بعد امت میں کچھ لوگ تو وہ پیدا ہوئے کہ جو قیاس واستحسان واجتہاد کے منکر تھے اور کچھ وہ پیدا ہوئے جو ہر مسئلہ میں باوجود نااہلیت کے اجتہاد کے مدعی ہوئے اس لئے اس کی ضرورت پیش آئی کہ اجتہاد کے مفہوم اور شرائط وغیرہ کی ابحاث کو امت کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ایک طرف تو اس کی ضرورت ثابت ہو جائے اور دوسری طرف نااہلوں کے اجتہاد سے امت محفوظ رہے۔

یہ مباحث اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اردو میں بھی بعض علماء نے اس پر کتابیں لکھی تھیں' اب اس موضوع پر ہمارے جامعہ کے **تخصص فی الفقه الاسلامی** کے طالب علم مولوی **علی الرحمن** صاحب نے یہ مختصر اور جامع رسالہ لکھا ہے بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ اس کو مقبول بنا کر امت کیلئے نافع بنا دے اور مؤلف کے علم وعمل میں اللہ تعالیٰ برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

کتبہ

نظام الدین

۱۵/۴/ ۱۴۲۰ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابو یوسف **محمد ولی** درویش صاحب رحمہ اللہ

سابق استاذ: جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ امابعد:

دین اسلام اللہ پاک کا آخری دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کے آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا قیامت تک کیلئے یہ دین کافی وشافی ہے۔

اللہ تعالٰی نے جہاں اس دین کو قیامت تک رکھنا ہے وہاں اس کی بقاء کا انتظام بھی فرمایا ہے۔ اور وہ ہے اس امت میں مجتہدین کی کثرت۔ کہ ہر زمانے میں اللہ تعالٰی نے اس امت میں ایسے افراد پیدا فرمائے جو اپنی علمی استعداد اور خدا داد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نئے پیدا ہونے والے مسائل میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں لیکن کیا ہر وہ شخص جو محض لفظی ترجمہ دیکھ کر کچھ شدھ بدھ پیدا کرلے وہ بھی اجتہاد کا اہل ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ بازیچہ اطفال نہیں

زیر نظر رسالہ میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ اجتہاد کے کیا کیا لوازمات ہیں؟

اللہ تعالیٰ صاحب کتاب کی اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور لوگوں کو اس سے نفع اٹھانے کی توفیق دیدے۔ آمین؛

وصلی اللہ علی خیر خلقہ وصحبہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

کتبہ:

ابو یوسف محمد ولی درویش

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلّف (طبع اوّل)

الحمدللّٰه رب العالمين الذى جعل العلمآء ورثة النبيين وخص منهم المجتهدين من الصحابة والتابعين ومن تبعهم من أئمة الدين فاختارهم قادة الامة فى فروع الشريعة الىٰ يوم الدين، و الصلوٰة والسلام علىٰ سيدالمرسلين وعلىٰ آله واصحابه اجمعين ومن تبعهم من الفقهاء المجتهدين وسائر العلمآء المخلصين وعامة المسلمين باحسان الىٰ يوم الدين.

ناظرین کرام؛ یہ بات کسی شخص پر مخفی نہیں کہ قیامت کی علامات دن بدن معرض وجود میں آ رہی ہیں اور بے دینی آئے دن بڑھتی چلی جارہی ہے اور نت نئے فرقے جنم لے رہے ہیں انہیں فرقوں میں سے ایک فرقہ اسی طرح کا رونما ہوا ہے جو امام المجتہدین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور خالی الذہن عوام الناس کو اس دھوکہ میں ڈالتا ہے کہ دلائل تو صرف دو ہی ہیں قرآن اور حدیث۔ اور بعد میں امام صاحب کا اجتہاد کرنا یہ تو محض ایک فضول شئ ہے جو انہوں نے ایجاد کی ہے دوسرا دھوکہ یہ دے رہا ہے کہ امام صاحب قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنی رائے واجتہاد کو ترجیح دیتے ہیں۔

ان باتوں کو عوام الناس میں مشہور کرنے کے لئے ہمہ وقت ان کے بڑے سے لے کر چھوٹے تک اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ عوام کو اصل حقیقت سے ورغلایا جائے جس کی وجہ سے سادہ لوح مسلمان پریشان ہو کر تنگ آجاتے ہیں، اس حقیقت کو سمجھانے کیلئے بندہ نے بفضلہ تعالیٰ اختصار کے ساتھ اس فرقے کے ان دونوں دھوکوں کو عام فہم الفاظ میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مختصر رسالے کو مخلوق کے لئے نافع بنادے اور میری مغفرت کا ذریعہ اور نجات کا سامان بنادے۔ آمین.

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

علی الرحمٰن فاروقی

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

بجامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف

بنوری ٹاؤن کراتشی ۵ باکستان

عرضِ مؤلّف (طبع دوم)

نحمدهٔ ونصلّی ونسلّم علیٰ رسوله الکریم . امابعد.

آج سے تقریباً چھ سال پہلے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بندہ نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علاّمہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں دوران تخصص فی الفقہ ایک چھوٹا سا رسالہ بنام "اسلام میں اجتہاد کی ابتداء اور حنفی مذہب" مرتب کیا تھا جس پر میرے استاذ اور شیخ استاذ العلماء شیخ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ اور حضرت مولانا مفتی ابو یوسف محمد ولی درویشؒ کے دست مبارک کی تقریظیں تھیں۔ (اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، اور اس رسالہ کا ثواب ان تک بھی پہنچائے)

اس وقت مرحوم حاجی جمیل احمدؒ بلال مسجد سٹی کورٹ نے پہلی بار اس رسالہ کو شائع کیا تھا اور کراچی بھر میں تقسیم کروایا فجزاه الله تعالیٰ ورحمه۔

رسالہ چونکہ مختصر اور علمی طبقہ تک محدود تھا اس لئے احباب کے مشورہ سے اس میں قطع وبرید کے ساتھ کچھ نئی باتوں کا اضافہ بھی کیا گیا تاکہ عام طبقہ بھی اس سے بآسانی فائدہ اٹھا سکے۔

بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس رسالہ کو انصاف کی نظر سے دیکھا جائے اور سمجھا جائے تو انشاء اللہ مذہب حنفی کے متعلق مفید معلومات سامنے آجائینگی اور غلط سلط شبہات ختم ہوجائینگے۔ طبع ثانی میں اس وجہ سے اس رسالہ کا نام **"اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت"** رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ناچیز کی اسی ادنیٰ سی کوشش کو اپنے دربار میں مقبول ومنظور فرمائے اور میرے اساتذہ کرام، والدین، اقرباء، یار واحباب سب کیلئے ذریعہ مغفرت وسامان نجات بنائے۔ آمین۔

کتبہ:

(مولانا) **علی الرحمٰن** فاروقی

مدرس:...... مدرسہ ارشاد العلوم یوسفیہ کھتری مسجد کراچی

و

مدرسہ عربیہ اویس قرنی غوثیہ کالونی کراچی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

تمہید

اس رسالہ کو دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلی فصل میں اجتہاد کے موضوع پر بحث ہوگی جبکہ دوسری فصل میں امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر کئے جانے والے الزام (کہ امام صاحب قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے اپنی رائے واجتہاد کو ترجیح دیتے ہیں) کی حقیقت بیان ہوگی۔انشاء اللہ۔

پہلی فصل

اجتہاد کی تعریف:

لغت میں اجتہاد کا مادہ "ج، ہ، د" ہے "ج" کے پیش اور زبر کے ساتھ طاقت، کوشش اور محنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ زبیدی فرماتے ہیں:

"الاجتهاد بذل الوسع في طلب الامر والمراد به ردّ القضية من طريق القياس الى الكتاب والسنّة"

اجتہاد کہتے ہیں کسی چیز کی تلاش میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا اور اس سے مراد ہے کسی مسئلہ کو قیاس کے واسطہ سے کتاب وسنت کی طرف لوٹانا۔

(تاج العروس ص ۳۳۰، ج ۲، نماز پیمبر ص ۳۸)

اجتہاد کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟

سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ وہ حکم جو منصوص ہو یعنی صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں موجود ہو اور غیر محتمل ہو یعنی اس کے اندر کوئی دوسرا احتمال نہ ہو تو اس کے اندر مجتہد کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ البتہ ایسا حکم جو کہ غیر منصوص ہو یعنی قرآن وحدیث میں اس کی صراحت نہ ہو یا صراحت ہو لیکن اس میں مختلف احتمالات ہوں تو اس صورت میں مجتہد کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے ۔ بلکہ مجتہد اس پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور یہی اجتہاد قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ ذیل میں پہلے قرآن کریم سے اجتہاد کی مشروعیت (جائز ہونے کا) ذکر ہوگا پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر اس کے بعد صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدین اور دیگر فقہاء صحابہ کرامؓ کے اجتہاد کا ذکر ہوگا۔

کتاب اللہ سے اجتہاد کی مشروعیت (جواز) پر استدلال

پہلی آیت:...... قرآن شریف میں ربّ ذوالجلال نے فرمایا ہے۔

"ولو ردّوہ إلی الرسول وإلی أُولی الأمر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم"

ترجمہ:...... اور اگر اس کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی۔

(سورۃ النساء ۸۳)

اس آیت میں اولــو الامــر سے مراد حاکم ہیں اور اکثر علماء کرام نے اولــو الامــر سے مراد مجتہدین عظام لئے ہیں، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اس حکم کو یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور مجتہدین کی طرف لوٹا دیتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کرتے ہیں وہ اس کو جان لیتے۔ بہر حال اس آیت سے استنباط مسائل کی اجازت ملتی ہے بلکہ اس سے یہ مفہوم بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر یہ مجتہدین حضرات ان کے لئے کسی حکم کو تلاش کریں تو یہ بھی شارع کی طرف سے جائز سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ان کو اجتہاد کی اجازت دی نہ یہ کہ ان کو اجتہاد سے منع فرمایا۔

اصول السرخسی میں ہے

”والاستنبــاط لیــس إلااستخــراج المـعنیٰ من المنصوص بالرأی“

یعنی کسی حکم کو قرآن وحدیث سے نکالنا رائے کے ذریعے سے یہی معنی استنباط کا ہے۔

بعینہ اسی طرح مجتہدین خصوصاً ائمہ اربعہ قرآن وحدیث سے مسائل نکالا کرتے تھے۔

”فجزاهم الله خير الجزاء عن جميع الأئمة المرحومة“

دوسری آیت:

سورۃ الحشر آیت نمبر۲ میں ہے

"فاعتبروایآاولی الابصار"

تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت لکھا ہے

" استدلوا بہٰذہ الآیۃ علیٰ حجیۃ القیاس من حیث انہ تعالیٰ امر بالاعتبار والمجاوزۃ من اصل الی فرع لمشارکۃ بینھا فی وصف یصلح سببًالذالک الحکم"

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء کرامؒ نے اس آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۲۳۴ جلد نمبر ۹)

(۲)۔ مفسر قرآن علامہ ابوسعود رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر کے حاشیہ میں لکھا ہے

"وقداستدل بہ علی حجیۃ القیاس "

اس آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر ص ۳۵۱ ج ۶)

تفسیر روح المعانی میں اس آیت پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے

"واشتھر الاستدلال بالآیۃ علیٰ مشروعیۃ العمل بالقیاس الشرعی قالوا انہ تعالیٰ امر فیھا بالاعتبار وھو العبور والانتقال من الشیٔ الیٰ غیرہ اذ فیہ نقل الحکم من الاصل الی الفرع"

اس آیت کے ساتھ قیاس شرعی پر عمل کرنے کا استدلال مشہور ہو گیا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اعتبار کا حکم دیا ہے اور وہ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف اشتراک کی وجہ سے حکم کے منتقل ہونے کا نام ہے، اور یہی قیاس شریعت میں معتبر ہے اس لئے کہ اس کے اندر بھی حکم اصل سے فرع کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

"الآية وان دلّت على العموم فذاك وان دلت على الاطلاق وجب الحمل على القياس الشرعى لان الغالب من الشارع مخاطبتنا بالامور الشرعية دون غيرها وشمول حكم خطاب الموجودين لغيرهم الى يوم القيامة قد انعقد الاجماع عليه"

(روح المعانی ص ۴۲ ج ۲۸)

اس عبارت کا حاصل یہ نکلا کہ یہ آیت اگرچہ عموم پر دلالت کرتی ہے لیکن اس کو قیاس شرعی پر حمل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ شارع کی طرف سے غالب یہی ہے کہ وہ ہمیں مخاطب کرتا ہے شرعی امور پر نہ کہ غیر شرعی امور پر اور اس پر اجماع ہوا ہے کہ موجودین کو جو حکم ہے وہ قیامت تک آنے والوں کے لئے ہے۔

اور اصول السرخسی میں ہے

" واما الكرخى فقداحتج بقوله تعالىٰ "فاعتبروا يآاولى الابصار" والاعتبار هو العمل باالقياس والرأى فيمالانص فيه"

امام کرخی رحمہ اللہ نے بھی اسی آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اعتبار سے مراد عمل کرنا ہے قیاس اور رائے کے ذریعے ان مقامات میں جہاں نص وارد نہیں ہوا ہے (یعنی قرآن وحدیث میں جو مسائل نہ ہوں ان کو قیاس ورائے سے حل کرنے کو اعتبار کہتے ہیں جس کا آیت میں حکم ہے)۔

احادیث نبویہ سے اجتہاد کی اجازت

پہلی حدیث:

اس باب میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت کافی مشہور ہے

"قال له رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بم تقضي؟ قال بكتاب اللّٰه، قال فان لم تجد في كتاب اللّٰه؟ قال بسنة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. قال فان لم تجد في سنة رسول اللّٰه؟ قال اجتهد برأيي. فقال الحمد للّٰه الذي وفق رسول رسوله لما يرضى به رسوله" (اصول السرخسی ص ۱۰۷ ج ۲ ابوداؤد ص ۱۴۹ ج ۲)

ترجمہ:...... حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (جس وقت ان کو یمن کی طرف روانہ کر رہے تھے) آپ کس چیز پر فیصلہ کریں گے؟ تو حضرت معاذؓ نے عرض کی کہ اللہ کی کتاب پر۔ پھر پوچھا کہ اگر اللہ کی کتاب میں وہ فیصلہ نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذؓ نے عرض کی

کہ پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر فیصلہ کروں گا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں آپ نہ پائیں؟ تو حضرت معاذؓ نے عرض کی کہ میں پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس کام کی توفیق دی جس پر ان کے رسول راضی ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسائل جو قرآن وحدیث میں نہ ہوں ان میں مجتہد کو اجتہاد کی اجازت حدیث سے ملی ہے۔

اصول السرخسی میں اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

"فھذا دلیل علیٰ انه لیس بعد الکتاب و السنة شیٔ یعمل به سوی الرأی"

یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد ایسی کوئی چیز ہی نہیں جس پر عمل کیا جائے سوائے رائے کے۔

بہر حال مطلقاً یہ کہنا کہ قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی دلیل نہیں یہ بڑی غلطی ہے۔

دوسری حدیث:

صحیح مسلم میں **"باب بیان أجر الحاکم اذا اجتھد فاصاب او اخطأ"** کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے۔

"عن ابی قیس مولیٰ عمرو بن العاص عن عمرو بن العاص انه سمع رسول اللہ ﷺ قال اذاحکم الحاکم فاجتهدثم اصاب فله اجران واذاحکم فاجتهدثم اخطأفله اجر.

(صحیح مسلم ص ۷۶ ج ۲، بخاری ص ۱۰۹۲ ج ۲، ترمذی ص ۲۴۷ ج ۱،
ابن ماجہ ص ۱۶۴، ابوداؤد ص ۱۴۷ ج ۲، نسائی ص ۳۰۳ ج ۲)

ابو قیس سے روایت ہے (جو کہ مولیٰ تھے حضرت عمرو بن عاصؓ کے) کہ حضرت عمرو بن عاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا جب حاکم اجتہاد کرے اور پھر حق کو پہنچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ اور جو اپنے اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

(الفقیہ و المتفقہ للبغدادی ص ۲۷۵)

اجتہاد کی حدیث کے متعلق مولانا وحید الزمان کا تجزیہ:

اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا وحید الزمان نے مسلم شریف کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نووی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ حاکم ہے جو عالم ہو حکم کے لائق ہو اور جاہل کو حکم دینا درست نہیں اگر وہ حکم کرے گا تو گناہگار ہوگا اگرچہ اس کا حکم اتفاقاً حق ہو جائے اور یہی حکم ہے مجتہد کا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جتنے علماء مجتہدین گذرے ہیں جیسے امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام داؤد ظاہریؒ، امام سفیانؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، امام بخاریؒ، امام

شہیبؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام مزنیؒ، امام سحونؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابن شبرمہؒ، امام ابن ابی لیلیٰؒ، امام وکیعؒ، امام ابو یوسفؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن جریر طبریؒ، امام شوکانیؒ، امام طحاویؒ، امام ابوثورؒ، امام ابن منذرؒ، امام لیث بن سعدؒ ان سب کو ہر ایک مسئلہ اختلافی میں اجر ملے گا۔ گو ان سے خطاء ہوئی ہو اور اس وجہ سے ہر ایک مجتہد اور امام کا احسان ماننا چاہیے راضی ہو اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں سے آمین یارب العالمین۔ (صحیح مسلم مترجم مع شرح ج ۴ص ۵۴۶، ۵۴۷)

آج کل کے بعض حضرات قرآن اور حدیث کا نام لیتے تھکتے نہیں، اور ائمہ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کو اپنی تقاریر وغیرہ میں مذمت کا نشانہ بناتے ہیں انصاف کی بات یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے بڑوں کی بات ماننی چاہیے کہ ان کے بڑے کس قدر ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین کی عزت واحترام کرتے تھے اور ان کے اجتہاد کو احسان کے نام سے پکارتے تھے کہ ان ائمہ نے امت پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور لوگوں کی مشکلات حل کردیں اور ان کی غایۃ احتیاط (جس کا تذکرہ بعد میں آئے گا) سے پتہ چلا ہے کہ وہ کتنے مخلص اہل ورع وتقویٰ تھے۔ ان چند باتوں سے معلوم ہوا کہ جو مسائل قران وحدیث میں نہیں ہیں ان کے حل کیلیے صحابہ کرامؓ کے دور میں اجتہادات ہوئے ہیں اور ان پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو اگر امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اجتہاد کر کے مسائل حل کریں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ جبکہ (جس طرح اشارۃً گزر گیا کہ) یہی مجتہدین اس اجتہاد پر مامور من جانب الشرع تھے۔ یعنی جو حضرات اجتہاد کے واقعی اہل

ہیں ان کو باقاعدہ شریعت میں اجازت دی گئی ہے کہ وہ اجتہاد کریں اگر اجتہاد کے بعد کسی مسئلہ میں ان سے کوئی غلطی ہوجاتی ہے تو اس پر بھی ان کو ایک اجر ملتا ہے اور اگر غلطی نہیں ہوتی پھر ان کو دوہرا اجر ملے گا۔

تیسری حدیث:

عن علی بن ابی طالب قال قلت یا رسول اللّٰہ الامر ینزل بنا بعدک لم ینزل فیہ قرآن ولم یسمع منک فیہ شیٔ قال اجمعوا لہ العابدین من امتی واجعلوہ شوریٰ بینکم ولا تقضوہ برأی واحد.

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی الشافعی ص ۴۷۶ ج ۱)

ترجمہ:...... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول اگر کوئی مسئلہ ہمیں آپ کے بعد پیش آئے جس کے بارے میں قرآن نازل نہ ہوا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ نہ سنا گیا ہو تو ہم کیا کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا اس کے (حل) لئے میری امت کے عابد لوگوں کو جمع کرو اور آپس میں شوریٰ قائم کرو اور اس میں ایک ہی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

واضح رہے کہ بعینہ اسی طرز کو امام ابوحنیفہؒ اختیار کیا کرتے تھے جس کا بعد میں تذکرہ ہوگا۔

چوتھی حدیث:

عن طارق انّ رجلاً اجنب فلم يصل فاتى النبى صلى الله عليه وسلم فذكر ذالک له فقال اصبت فاجنب رجل اخر فتيمم وصلى فاتاه فقال نحو ماقال للاخريعنى اصبت.

(اخرجه النسائى فى كتاب الطهارة ص۳۶ باب تيمم الجنب)

ترجمہ:...... حضرت طارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہوگئی اس نے نماز نہیں پڑھی پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوا اور اپنا قصہ ذکر کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے ٹھیک کیا پھر ایک دوسرے شخص کو اسی طرح نہانے کی حاجت ہوگئی اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر وہ آپ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو بھی وہی بات فرمادی جو اس سے پہلے والے شخص سے فرما چکے تھے۔ یعنی تو نے ٹھیک کیا۔

اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اجتہاد و قیاس جائز ہے۔ اسلئے کہ ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور آپ ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی۔

چنانچہ نسائی کے حاشیہ پر اصبت کی تفسیر کی ہے

”اصبت حيث عملت باجتهادک فکل منهما مصيب بهٰذه الحيثية وان كان الاول مخطئا باالنظر الى ترک الصلوٰة

بالتیمم"

مطلب یہ کہ تو نے ٹھیک کیا اس لئے کہ تو نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ اس حیثیت سے دونوں برحق ہیں اگر چہ ان میں سے پہلا آدمی اصلاً خطا پر تھا کہ اس نے تیمم کر کے نماز نہیں پڑھی تھی۔

پس اجتہاد و قیاس کے جائز ہونے میں کچھ شبہ نہ رہا۔

پانچویں حدیث:

عن عمرو بن العاص قال احتلمت فی لیلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاهلک فتیممت ثم صلیت باصحابی الصبح فذکروا ذالک لرسول اللّٰه ﷺ فقال یا عمرو صلیت باصحابک وانت جنب فاخبرته بالذی منعنی من الاغتسال وقلت انی سمعت اللّٰه یقول ولاتقتلوا انفسکم ان اللّٰه کان بکم رحیما فضحک رسول اللّٰه ﷺ ولم یقل شیئًا.

(اخرجه ابوداؤد ص ۴۸ سعید کمپنی) باب اذا خاف الجنب البردا یتیمم)

ترجمہ:...... حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے غزوۂ ذات السلاسل کے سفر میں ایک سردی کی رات میں احتلام ہو گیا اور مجھ کو اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کروں گا تو شاید ہلاک ہو جاؤں گا میں نے تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں اس قصہ کو ذکر کیا آپ نے فرمایا اے عمرو تم نے جنابت
کیحالت میں لوگوں کو نماز پڑھادی تو میں نے اس امر کے بارے میں جو کہ
مانع تھا اطلاع دی اور عرض کیا کہ میں نے حق تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا کہ اپنی
جانوں کو قتل مت کرو بے شک حق تعالیٰ تم پر مہربان ہیں تو رسول اللہ ﷺ
ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔

یہ حدیث نہایت وضاحت سے اجتہاد و قیاس کے جائز ہونے پر دلالت
کرتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے دریافت فرمانے پر حضرت عمرو بن العاصؓ
نے اپنی وجہ استدلال بتادی اور آپ ﷺ نے اس کو جائز رکھا۔

اس طرح کی اور بھی روایتیں کتب حدیث میں ملتی ہیں جن سے معلوم
ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کیا اور آپ نے ان پر نکیر
نہیں فرمائی اگر چہ بعد میں آپ ﷺ نے مسئلہ کی حقیقت ان کو بتادی لیکن یہ نہیں
فرمایا کہ تم نے اجتہاد کیوں کیا ہے۔ بہر حال یہ احادیث اجتہادِ کے عنوان پر کافی
ہیں۔اب ذیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کی بحث ہوگی۔

اجتہاد میں صحابہ کرام کا طرز عمل

علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے الملل و النحل میں لکھا ہے:

"ان الحوادث والوقائع فی العبادات ممالایقبل الحصر
والعدد نعلم قطعًا انه لم یرد فی کل حادثة نص ولایتصور ذالک
ایضًا الیٰ آخره"

جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سارے نئے واقعات عبادات اور تصرفات کے اندر (جن کا گننا مشکل ہے) کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ ہر ایک واقعہ کے اندر نص یعنی قرآن وحدیث کی صراحت نہیں آئی ہے اور ہر مسئلے میں نص کے ہونے کا تصور بھی نہیں ہوسکتا کہ فلاں مسئلہ میں نص یعنی حکم شرعی کیا ہے۔

آگے امام شہرستانیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مسائل اور واقعات میں قیاس اور اجتہاد کا معتبر ہونا واجب ہوجاتا ہے۔تو صحابہ کرامؓ کو نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے نئے واقعات کا سامنا کرنا پڑا ان کے سامنے ایک تو کتاب اللہ تھی تو اس پیش آمدہ مسئلے کو قرآن مجید پر پیش کرتے تھے اگر اس کے اندر حکم صریح ملتا تو اس پر فیصلہ کردیتے تھے اور اگر کتاب اللہ میں وہ حکم واضح نہ ملتا اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے جو منقول ہوتا اس کی طرف توجہ فرماتے تھے اور تمام صحابہ کرامؓ اس پر ایک دوسرے سے مذاکرہ کرتے تھے تو اگر ان میں سے کسی کو اس مسئلے کے بارے میں کوئی حدیث یاد نہیں ہوتی تھی تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کیا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یقیناً مشہور تھا اور اجتہاد بھی ان ہی مسائل میں کیا کرتے تھے جو قرآن وحدیث میں صراحت کیساتھ موجود نہ ہوتے اور ظاہر بات ہے کہ جو مسئلہ منصوص علیہا نہ ہوتا ان میں کچھ نہ کچھ ہاں یا نہ کہنا ان حضرات کا کام تھا اگر صرف قرآن وحدیث میں

جو مسائل ہیں ان کو لیا جائے اور اجتہادی مسائل کو نہ لیا جائے تو لوگوں کے لئے اپنے معاملات وتصرفات میں دین کے طرز کو اختیار کرنا مشکل ہو جائے گا۔

(۲) بعینہ یہی مضمون شیخ محمد الخضری نے تاریخ التشریع الاسلامی میں نقل کیا ہے:

"وکانت ترد علی الصحابة اقضية لایرون فیها نصًا من کتاب وسنة واذا ذاک کانوا یلجئون الی القیاس وکانوا یعبرون عنه باالرأی.

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ایسے بیشتر فیصلے آتے تھے جن کی وہ کتاب اللہ اور سنت میں نص نہیں پاتے تھے تو اس وقت وہ قیاس کی طرف محتاج ہوتے تھے جسے وہ رائے سے تعبیر کرتے تھے۔

(۳) "عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم الاحزاب لایصلین احد العصر الا فی بنی قریظة فادرک بعضهم العصر فی الطریق فقال بعضهم لانصلی حتی ناتیها وقال بعضهم بل نصلی لم یرد منا ذاک فذکر ذالِک للنبی ﷺ فلم یعنف واحدًا منهم" (بخاری ص ۵۹۱ ج ۲)

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے دن صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ عصر کی نماز کوئی بھی بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے تو بعض صحابہؓ کو راستے ہی میں عصر کا وقت آ گیا بعض نے کہا ہم

نماز نہ پڑھیں گے جب تک ہم اس جگہ نہ پہنچ جائیں اور بعض نے کہا نہیں ہم تو نماز پڑھیں گے رسول اللہ ﷺ کا یہ مطلب نہیں (بلکہ مقصود تاکید ہے جلدی پہنچنے کی کہ ایسی کوشش کرو کہ عصر سے قبل وہاں پہنچ جاؤ) پھر یہ قصہ آپ ﷺ کے حضور میں ذکر کیا آپ نے کسی پر بھی ملامت نہیں فرمائی۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ضرورت کے وقت اجتہاد کیا کرتے تھے مندرجہ بالا واقعہ میں صحابہ کرامؓ نے اپنے اپنے اجتہاد کا تذکرہ نبی ﷺ کے سامنے کیا آپ نے دونوں کی تصویب فرمائی۔

یہ عمومی طور پر بیان کیا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اجتہاد کیا کرتے تھے ذیل میں کچھ خاص صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو مستقل اجتہاد وقیاس کیا کرتے تھے۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

(۱) عن الشعبی قال سئل ابوبکر عن الکلالة فقال انی ساقول فیھا برأیی فان یک صوابا فمن اللّٰہ وان یک خطأ فمنی ومن الشیطان اراد ما خلا الولد والوالد۔

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی الشافعی ص ۱۹۰ ج ۱)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا (کہ وہ کس کو کہتے ہیں) آپ نے فرمایا میں اس میں اپنی رائے واجتہاد سے کہتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اگر غلطی ہوئی تو میرے

اور شیطان کی طرف سے ہوگی پھر فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کا نہ بیٹا ہو نہ والد۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو میراث نہیں دیتے تھے اور حضرت عمرؓ دیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے دادا کو باپ کے قائم مقام قرار دیا اور باپ کی موجودگی میں بھائیوں کو نصاً میراث نہیں ملتی اور حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے چونکہ دادا کو باپ کے قائم مقام نہیں بنایا اس لئے دادا کو میراث کا حقدار بنایا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد و قیاس کی اجازت دینا

(۱) عن شریح القاضی قال قال لی عمربن الخطاب ان اقض بمااستبان لک من کتاب اللّٰہ فان لم تعلم کل کتاب اللّٰہ فاقض بمااستبان لک من قضاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فان لم تعلم کل قضیة رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاقض بما استبان لک من ائمة المجتهدین فان لم تعلم کل ماقضت به ائمة المجتهدین فاجتهد رأیک واستشر اهل العلم والصلاح.

(الفقیه والمتفقه ص ۱۹۴)

ترجمہ:...... قاضی شریح سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فیصلہ کرو اس پر جو تمہارے لیے کتاب اللہ سے ظاہر ہو جائے اگر تم پوری کتاب اللہ کو نہیں جانتے ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے جو ظاہر ہو جائے اس پر فیصلہ کرو اگر تم آپ ﷺ کے تمام فیصلے نہ جانتے ہو

تو ائمہ مجتہدین کے فیصلے سے جو ظاہر ہوں اس پر فیصلہ کرو اگر ائمہ مجتہدین کے تمام فیصلوں کو نہیں جانتے ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اہل علم وصلاح سے مشورہ کرو۔ الحاصل اس سے اجتہاد کی اجازت ملتی ہے۔

دوسری روایت:

(۲) کتب عمر الیٰ قاضیه ابی موسیٰ الاشعری (رضی اللّٰه عنه) یقول القضاء فریضة محکمة او سنة متبعة ثم قال الفهم الفهم فیما تلجلج فی صدرک ممالیس فی کتاب ولا سنة فاعرف الاشباه والامثال وقس الامور عند ذالک واعمد الیٰ اقربها الی اللّٰه واشبهها بالحق.

(تاریخ التشریع الاسلامی ص ۲۸۱ وقواعد فی علوم الفقه)

ترجمہ:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قاضی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ قضاء ایک محکم فریضہ ہے یا سنت ہے۔ جس کی تابعداری کی جاتی ہے پھر فرمایا کہ جو تیرے سینے میں تردد (شک) پیدا کرے ان مسائل سے جو کتاب وسنت میں نہیں ہیں تو اس کو خوب سمجھو پھر اشباہ اور امثال کو جانو اور دیگر امور کو اس وقت قیاس کرو اور قصد کرو اس کی طرف جو قریب ہو اللہ کے ہاں اور زیادہ مشابہ ہو حق کے ساتھ۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی ہے کہ جو مسائل منصوص علیہا نہ ہوں ان میں اجتہاد وقیاس سے کام لو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بذات خود اجتھاد کرنا

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ وہ عورت جو حاملہ ہو اور اس کا شوہر وفات پائے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ ان دونوں عدتوں (وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں) میں جو طویل ہو وہی اس کی عدت ہوگی اور اختلاف کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورت کی عدت وضع حمل بتائی۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔

"واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن"

اور جس عورت کے خاوند کی وفات ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن بتائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت (جو حاملہ بھی ہو اور اس کا شوہر بھی وفات پا جائے) کی عدت کے لئے ان دونوں آیتوں پر عمل کیا، تو ان کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ دونوں عدتوں میں سے جو طویل اور زیادہ ہو وہی اس کی عدت ہوگی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت وضع حمل کو آیت وفات کے لئے مخصص بنایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مستقل کام تھا جس کو انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول سے لیا تھا۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے بارے میں جو تین طلاقوں سے مطلقہ ہوگئی ہے فیصلہ اور فتویٰ جاری کیا کہ اس کے لیے خرچہ بھی ہوگا اور

سکنی (رہائش بھی) اور جب ان کے سامنے فاطمہ بنت قیس کی روایت پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے نفقہ اور سکنی مقرر نہیں کیا تو فرمانے لگے۔

"لانترک کتاب وبناوسنة نبینا لقول امرأة لعلّها حفظت او نسیت"

ہم کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو ایک عورت کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے یادرکھا ہو یا بھلا دیا ہو۔

جبکہ دوسرے حضرات نے اپنی رائے کے مطابق اسی فاطمہ بنت قیس کی روایت کو اختیار کیا ہے کہ اس قسم کی عورت کیلئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی (رہائش)۔

اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور بھی متعدد روایات منقول ہیں جن میں انہوں نے با قاعدہ اجتہاد اور قیاس سے کام لیا ہے جن سے مجتہد کے لئے اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

(۱) اگر بیوی آزاد ہو اور اس کا شوہر غلام ہو تو اس صورت میں طلاق دو ہوں گی یا تین۔ اس میں حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ طلاق کے عدد کا اعتبار خاوند سے کیا جائے گا اس لئے کہ یہ طلاق کو واقع کرنے والا ہے تو مذکورہ بالا مسئلہ میں خاوند کو دو طلاق کا اختیار ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ طلاق کا عدد زوجہ کی طرف منسوب کیا جائے گا اس لئے کہ طلاق

اسی پر واقع ہوتی ہے۔ تو مذکورہ بالا مسئلہ میں تین طلاق کا اختیار شوہر کو ہوگا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں دونوں طرف سے دلائل ہیں۔ دونوں فریقین نے قرآن وحدیث سے استنباط کر کے اجتہاد کیا۔ لہٰذا دونوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس حال میں کہ وہ مریض تھے۔ جب عورت کی عدت ختم ہوگئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بیوی کو وراثت کا حقدار بنا دیا حالانکہ مروی ہے کہ قاضی شریح نے اس مسئلہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو مرض کی حالت میں تین طلاق دے تو اس کا کیا حکم ہے تو آپؓ نے جواب دیا کہ جب تک وہ عدت کے اندر ہے اس کو میراث دے دو اور جب عدت ختم ہو جائے تو اس کے لئے میراث نہیں ہے۔ یہاں حضرت عثمان وحضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا۔ جبکہ اس مسئلے میں کوئی نص نہیں تھی جس کی طرف یہ حضرات رجوع کرتے۔

خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک طلاق شدہ عورت نے عدت کے اندر نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاوند کو چند کوڑے مارے اوران کے درمیان تفریق کر دی اور پھر فرمایا کہ جو عورت اپنی عدت میں نکاح کرے اور دوسرا خاوند اس کے ساتھ صحبت کرے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کی جائے گی پھر یہ پہلے خاوند کی باقی عدت پوری کرے پھر دوسری عدت پورے کرے پھر آئندہ کے لئے کبھی بھی یہ عورت اس دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی۔

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ جب پہلے زوج کی عدت ختم ہو جائے تو دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے، تو ان دونوں حضرات نے اس بارے میں اختلاف کیا اور قرآن مجید کے احکام میں ان دونوں میں سے کسی کی تائید نہیں ملتی۔ البتہ حضرت عمرؓ نے تنبیہ وزجر کیلئے یہ قول اختیار کیا اور حضرت علیؓ نے عام اصول کو مدنظر رکھ کر مذکور بالا قول اختیار کیا۔

یہاں تک تو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہوا کہ بہت سے بے شمار مسائل میں یہ حضرات اجتہاد کیا کرتے تھے اور یہ اجتہاد کیوں نہ کرتے جب کہ اس کے سوا دوسرا چارہ کار نہیں تھا اور یہ تو نہیں ہوسکتا ہے کہ جب اس طرح کا مسئلہ پیش آ جائے جو قرآن وحدیث میں نہ ہو اور لوگ ان سے پوچھنے آئیں اور یہ

حضرات ان کو اس مسئلے کا کوئی حل نہ بتائیں۔

ذیل میں چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا تذکرہ ہوگا جن کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ پہلے تو قرآن وحدیث میں حکم تلاش کرتے اگر مل جاتا تو ٹھیک ورنہ تو وہ حضرات بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر حضرت علی حضرت زید رضی اللہ عنہم کا اپنے اپنے اجتہادات میں اختلاف رائے

وعن عمران لقي رجلاً فقال ماصنعت فقال قضیٰ علي وزيد بكذا فقال لو كنت انالقضيت بكذاقال فمايمنعک والامر اليک قال لو كنت اردک الى كتاب الله اوالىٰ سنة رسول الله ﷺ لفعلت ولكني اردک الىٰ رأى والرأى مشترک فلم ينقض ما قال علي وزيد.

ترجمہ:...... حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کی ایک آدمی سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ آپ نے اپنے فیصلے کے بارے میں کیا کیا؟ تو اس نے کہا کہ اس مسئلے میں حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما نے اس طرح فیصلہ کیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو میں (اس کی بجائے) اس طرح فیصلہ کرتا اس آدمی نے کہا کہ پھر کیا مانع ہے آپ ہی فیصلہ فرماتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ اگر میں تجھے کتاب اللہ اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کی طرف لوٹاتا تو میں یہ فیصلہ خود ہی کر لیتا (مطلب یہ ہے کہ قران وحدیث میں چونکہ آپ کا یہ مسئلہ نہیں تھا اس لئے میں نے خود فیصلہ نہیں کیا) لیکن میرا ارادہ تھا کہ میں تجھے اپنی رائے کی طرف لوٹا دوں۔ اور رائے ایک مشترک شئ ہے۔ پس آپ نے حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے فیصلے کو نہیں توڑا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کا اظہار بھی کیا اور حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے اجتہاد کو بھی برا نہ کہا۔

حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات نئے مسائل کے پیش آنے سے پہلے اس میں اجتہاد کرتے تھے۔

خطیب بغدادی شافعیؒ نے لکھا ہے

"وقدروی عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب وغیرهما من الصحابة انهم تکلموا فی احکام الحوادث قبل نزولها وتناظروا فی علم الفرائض والمیراث وتبعهم علیٰ هذه السبیل التابعون ومن بعدهم من فقهاء الامصار فکان ذالک اجماعًا منهم علیٰ انه عیر مکروه ومباح غیر محظور" (الفقیه والمتفقه ص ۲۲ ج ۲)

ترجمہ:...... مروی ہے حضرت عمر بن خطاب اور علی بن ابی طالب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کہ وہ حضرات نئے مسائل کے پیش

آنے سے پہلے ان کے احکام میں بات چیت کرتے تھے اور علم فرائض اور میراث میں ایک دوسرے کے ساتھ مناظرے کرتے تھے اور اسی طریقے پر تابعین اور دیگر فقہاء امصار نے ان کی تابعداری کی تو یہ ان کی طرف سے اجماع ہے اس بات پر کہ یہ اجتہاد مکروہ نہیں ہے بلکہ مباح ہے اور منع نہیں۔

حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اجتہاد کرنا

اخبرنا ابو عثمان سعید بن عثمان قال حدثنا ابو عمر احمد بن رحیم قال حدثنا ابو جعفر الدؤلی قال حدثنا ابو عبیداللّٰہ سعید بن عبدالرحمن المخزومی قال حدثنی سفیان بن عیینة عن عبداللّٰہ بن ابی یزید قال سمعت ابن عباس اذا سئل عن شیٔ فان کان فی کتاب اللّٰہ قال به وان لم یکن فی کتاب اللّٰہ وکان عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال به فان لم یکن فی کتاب اللّٰہ ولاعن رسول اللہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ولاعن ابی بکر ولاعن عمر اجتهد برأیه.

ترجمہ:...... عبداللہ بن ابی یزید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا جب ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال ہوتا اگر وہ کتاب اللہ میں ہوتی تو اس پر فتویٰ دیتے تھے اور اگر کتاب اللہ میں وہ چیز نہ ہوتی اور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہوتی تو اس پر حکم کر دیتے تھے۔ اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول میں بھی موجود نہ ہوتی اور نہ ہی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہوتی تو

پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا کرتے تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

روی عن ابن عباس انه ارسل الیٰ زیدبن ثابت فی کتاب اللّٰه ثلث مابقی فقال زیدانمااقول برأیی وتقول برأیک.

ترجمہ:...... مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو کہلا بھیجا کہ کیا کتاب اللہ میں باقی ماندہ مال کے ثلث کا تذکرہ ہے (یہ اس لئے کہ حضرت زیدؓ نے فرمایا تھا کہ اگر عورت مرجائے اس کا شوہر اور والدین ہوں تو ماں کو "فلامه الثلث" کے تحت شوہر کو اس کا حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ مال کا تہائی حصہ ملے گا، جبکہ حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ تھی کہ مال کے تقسیم سے پہلے مجموعہ مال کا تہائی حصہ ماں کو ملے گا حضرت ابن عباسؓ نے ان سے ان کے قول کی دلیل طلب کی تو حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ میں تو اپنی رائے و اجتہاد سے کہتا ہوں اور آپ اپنی رائے سے کہتے ہیں (دونوں برحق ہیں)

(هکذافی اصول السرخسی ص ۱۲۱ ج ۲)

رائے و اجتہاد کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا موقف

"عن ابن مسعود انه قال انه فی غیر مافی مسألة اقول فیها برأیی"

ترجمہ:...... حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کئی مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں میں اپنی رائے سے کہتا ہوں (یہ اس لئے کہ قرآن وحدیث

میں ان مسائل کی صراحت نہیں ہوتی تھی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اجتہاد کا حکم دینا

قال حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا الاعمش عن عمارة بن عمير عن عبدالرحمن بن يزيد قال اكثر الناس يومًا على عبدالله يسألونه فقال ايها الناس قد اتى علينا زمان ولسنا نقضي ولسنا هناك فمن ابتلى بقضاء بعد اليوم فليقض بما في كتاب الله فان اتاه ما ليس في كتاب الله ولم يقل فيه نبيه فليقض بما قضى به الصالحون فان اتاه امر لم يقض به الصالحون وليس في كتاب الله ولم يقل فيه نبيه فليجتهد رأيه.

(جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر المالكیؒ ص ۳۶۳)

ترجمہ:...... حضرت عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے کہ ایک دن کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ سوال کرنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو ہم پر تو ایک ایسا زمانہ آیا ہے کہ ہم فیصلہ نہیں کرتے اور نہ فیصلہ کرنے کے اہل ہیں۔ پس آج کے بعد جو قضاء میں مبتلا ہو (یعنی قاضی بنے) اس کو چاہئے کہ فیصلہ کرے اس پر جو کتاب اللہ میں ہے اور اگر ایسا مسئلہ پیش آجائے جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور اس میں نبی اکرم ﷺ نے بھی کچھ ارشاد نہ فرمایا ہو تو فیصلہ کرے اس پر جس پر نیک لوگوں نے فیصلہ کیا ہو

اور اگر ایسا مسئلہ پیش آجائے جس پر نیک لوگوں نے بھی فیصلہ نہیں کیا اور کتاب اللہ میں بھی نہ ہو اور نبی ﷺ نے بھی اس میں کچھ نہ فرمایا ہو تو پھر قاضی کو چاہئے کہ وہ اجتہاد کرے۔ واضح رہے کہ ایک دوسری سند سے بھی مندرجہ بالا عبارت منقول ہے۔

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ قرآن وحدیث اور صحابہ کرامؓ سے کوئی مسئلہ منقول نہ ہو تو اس میں مجتہد کے لئے اجتہاد کی اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا بذات خود اجتہاد کرنا

اس کی تو بہت سی مثالیں ملتی ہیں ذیل میں ایک ہی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی رائے یہ تھی کہ طلاق شدہ عورت اپنی عدت سے اس وقت تک فارغ نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنے تیسرے حیض کا غسل نہ کرے اور حضرت زید بن ثابتؓ کا فتویٰ تھا کہ وہ تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی عدت سے فارغ ہو جائے گی اور اس اختلاف کا سبب لفظ قرء کے معنی میں اختلاف کا ہونا ہے کہ کیا اس سے مراد طہر ہے جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے سمجھا یا حیض ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے سمجھا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دیگر مسائل میں اجتہاد

حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے قران وحدیث موجود تھے اس لئے وہ قرآن اور حدیث سے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق استنباط کر کے الگ الگ رائے اختیار کیا کرتے تھے۔

مس ذکر (آلہ تناسل کے چھونے) کے مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اجتہاد

مس ذکر کے بارے میں فقہاء صحابہ وتابعینؒ کا اختلاف رہا اس لئے کہ نبی ﷺ سے روایات مختلف تھیں۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سالمؒ اور حضرت عروۃؒ کے نزدیک مس ذکر سے وضو لازم آتا تھا اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور دیگر فقہاء کوفہ کا مسلک تھا کہ مس ذکر سے وضو لازم نہیں آتا ہے۔

عورت کو اختیار طلاق دینے میں صحابہ کرامؓ کا اجتہاد

اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے دے تو اس میں حضرت عمر حضرت علی اور حضرت ابن مسعود اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کی رائے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق مختلف تھی حضرت عمر اور حضرت ابن مسعودؓ عنہما کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی اس طرح طلاق کا اختیار اپنی بیوی کو دے دے تو اگر اس بیوی نے

اپنے شوہر کو پسند کیا تو پھر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنے لئے طلاق کو پسند کیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور علیؓ کی رائے یہ تھی کہ اگر اس عورت نے اپنے شوہر کو پسند کیا تو پھر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اس عورت نے اپنی مرضی کے مطابق اپنے لئے طلاق کو پسند کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور حضرت زید بن ثابتؓ کی رائے یہ تھی کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو پسند کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کو پسند کیا تو تین طلاقیں واقع ہونگی، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اختلافی مسئلہ میں ہر مجتہد کو اجتہاد کرنے کا حق ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجتہاد کی وجہ سے اکثر مسائل میں اختلاف رہا

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں جو مجتہدین اور فقہاء حضرات تھے وہ قرآن وسنت سے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق مسائل مستنبط کرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر مسائل میں صحابہ کرامؓ کا آپس میں اختلاف رہا اس کے علاوہ چند مسائل اور ملاحظہ ہوں۔

(۱) بعض صحابہ کرامؓ نماز میں بسم اللہ پڑھا کرتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔

(۲) بعض بسم اللہ کو جہراً پڑھتے تھے اور بعض سراً پڑھتے۔

(۳) بعض فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔

(۴) بعض صحابہ کرامؓ قے وغیرہ سے وضو کیا کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔

(۵) بعض بیوی کو ہاتھ لگانے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے۔

(۶) بعض اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے۔

(۷) اور بعض حضرات آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے۔

اور بھی ایسے لاتعداد مسائل ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف تھا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ حضرات اجتہاد کرتے تھے اور ہر مجتہد کا اجتہاد کرتے وقت علیحدہ انداز و طرز ہوتا ہے جس کے ذریعے سے مسائل مستنبط کرتا ہے جو دوسرے مجتہد کے طرز کے خلاف ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ آپس میں مسائل کے اختلاف کے باوجود ہدایت یافتہ تھے

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجة الله البالغة میں ذکر کیا ہے

"الصحابة مختلفون وهم جميعًا على الهدىٰ"

کہ صحابہؓ آپس میں مسائل کے اندر اختلاف رائے کے باوجود سب ہدایت پر تھے۔

اسی طرح مجتہدین خصوصاً ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا حال ہے کہ فروعی مسائل میں اگرچہ ان کا اختلاف تھا لیکن ہدایت پر سارے تھے۔

کیونکہ ماقبل سے معلوم ہوا کہ مجتہد کے لئے اجتہاد کی اجازت من جانب الشرع ہے تو جب ہر مجتہد کو اجتہاد کی اجازت مل گئی تو ہر ایک نے اپنے اپنے اصول اجتہاد سے قرآن وحدیث سے مسائل مستنبط کئے۔

تو ان حضرات کے اجتہاد میں اختلاف کا آجانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی آپس میں اجتہادی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔اور ائمہ نے سارے علوم ومعارف حضرات صحابہ کرام سے حاصل کئے تھے تو یہ حضرات بھی اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق ہدایت پر ہیں۔

خلاصہ کلام:

بہر حال ان مختصر حوالہ جات سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ اجتہاد قرن اول میں بھی تھا یعنی (پاک پیغمبر ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں) اس پر کسی نے نکیر نہیں کی۔یعنی وہ نو وارد مسائل جن کے لئے صریح نصوص موجود نہیں یا تھیں تو صحیح مگر اس میں متعدد احتمالات تھے یا آپس میں بظاہر تعارض تھا۔

صحابہ کرامؓ نے ان کو اجتہاد کر کے حل کیا ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ائمہ مجتہدین تابعین خصوصاً ائمہ اربعہ نے ان کی تابعداری کی اور نہایت عرق ریزی وشب بیداریاں کر کے مسائل حل کر دیئے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا مستقل ذکر کیا جائے جو مستقل فتوے دیا کرتے تھے اور جب کوئی مسئلہ ایسا ہوتا

کہ قرآن وحدیث میں صراحتہً نہ پاتے تو اجتہاد کیا کرتے تھے۔

قرن صحابہؓ میں مجتہدین حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم

مدینہ میں:

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

مکہ میں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

بصرہ میں:

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما تھے۔

مصر میں:

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما تھے۔

دور تابعین میں مجتہدین حضرات

مدینہ میں:

(۱) حضرت سعید بن المسیب (۲) سلیمان بن یسار (۳) قاسم بن محمد (۴) سالم بن عبداللہ بن عمر (۵) عبیداللہ بن عتبہ (۶) ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن (۷) خارجۃ بن زید (۸) ابوبکر بن عبدالرحمٰن (۹) عروۃ بن الزبیر (۱۰) ابان بن عثمان (۱۱) ابن شہاب (۱۲) ابوالزناد (۱۳) ربیعۃ (۱۴) مالک (۱۵) عبدالعزیز بن ابی سلمۃ ابن ابی زئب رحمہم اللہ۔

مکہ اور یمن میں:

(۱) عطاء (۲) مجاہد (۳) طاؤس (۴) عکرمۃ (۵) عمرو بن دینا (۶) ابن جریج (۷) یحیٰ بن ابی کثیر (۸) معمر بن راشد (۹) سعید ابن سالم (۱۰) ابن عیینۃ (۱۱) مسلم بن خالد (۱۲) حضرت امام شافعی رحمہم اللہ۔

کوفہ میں:

(۱) علقمۃ (۲) اسود (۳) عبیدۃ (۴) شریح القاضی (۵) مسروق (۶) شعبی (۷) ابراہیم النخعی (۸) سعید بن جبیر (۹) حارث العکلی (۱۰) حکم بن عیتبۃ (۱۱) حماد بن ابی سلیمان (۱۲) امام ابوحنیفۃ (۱۳) امام سفیان ثوری (۱۴) حسن بن صالح (۱۵) ابن المبارک اور کوفہ کے دیگر فقہاء رحمہم اللہ۔

بصرہ میں:

(۱) حسن (۲) ابن سیرین (۳) جابر بن زید (۴) ایاس بن معاویہ (۵) عثمان البتی (۶) عبیداللہ بن الحسن (۷) سوار القاضی رحمہم اللہ۔

شام میں:

(۱) مکحول (۲) سلیمان بن موسیٰ (۳) اوزاعی (۴) سعید بن عبدالعزیز (۵) اشہب (۶) ابن عبدالحکم (۷) اصبغ (۸) مزنی (۹) بویطی (۱۰) ربیع۔

بغداد وغیرہ میں:

(۱) ابوثور (۲) اسحاق بن راہویہ (۳) ابوعبید قاسم بن سلام (۴) ابوجعفر الطبری۔

الغرض دور تابعین میں یہ بڑے بڑے مشہور مجتہدین تھے جن کا کام مستقل اجتہاد تھا یہ نام اس لئے ذکر کئے گئے تاکہ پتہ چلے کہ امام ابوحنیفۃ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہؒ کا اجتہاد کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ بلکہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین رحمہم اللہ کا ہی طریقہ تھا۔

واضح رہے کہ ذکر کردہ مجتہدین اکثر صحاح ستہ خصوصاً بخاری میں موجود ہیں۔

کیا اجتہاد ہر کوئی کر سکتا ہے:

قرآن وحدیث کو سمجھنے اور اس سے مختلف قسم کے مختلف مسائل مستنبط (نکالنے) کیلئے محض تھوڑی بہت عربی دانی اور اردو کے چند رسالے پڑھنا کافی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انتہائی نازک نوعیت والا مسئلہ ہے لوگوں کی اکثریت اسے نظر انداز کر لیتی ہے۔ بسا اوقات عربی واقفیت اور شد بد کے باوجود قرآن کریم کی بے شمار آیات، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاتعداد احادیث ایسی ہیں جن کے ظاہری معنی و مطلب کو سمجھ کر بندہ بہت بڑی غلطیاں کر دیتا ہے۔

قرآن وحدیث میں بظاہر کافی آیات واحادیث متعاض ہیں (یعنی ان کے درمیان ظاہری معنی کے اعتبار سے اختلاف اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے) ان کو کیسے حل کیا جائے ان کے درمیان تطبیق کی کیا صورت ہو؟ وغیرہ۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو حل نہیں کر سکتا۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) قرآن کریم میں ہے

”من قتل مؤمناً متعمّداً فجزاءہ جھنّم خالداً فیھا“

اس آیت میں کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے والے کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا بتایا گیا۔ حلانکہ دیگر نصوص کو دیکھتے ہوئے اہلسنت والجماعت سب کے ہاں

مسلمان کو قصداً قتل کرنے والے کی سزا دائمی جہنم نہیں ہے کیونکہ دائمی جہنمی ہونے کی سزا صرف کافر کیلئے مخصوص ہے، اور اس آیت کا جواب ایک یہ دیا جاتا ہے کہ "خلود" سے مراد ایک طویل مدّت تک جہنم میں رہنا ہے نہ کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔

دوسرا یہ کہ یہ حکم بطور زجر کے ہے، نیز حدیث شریف میں ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

"من ترک الصلوٰۃ متعمّدًا فقد کَفر"

(جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس نے کفر کیا) وہاں بھی زجر و توبیخ مراد ہے۔

(۲) اسی طرح قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔

"ومن لم یحکم بماانزل اللّٰہ فاولئک ھم الکافرون"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم پر عمل نہ کریں وہ کافر ہیں۔

آیت کا ظاہری معنی مراد لیا جائے تو آج کے اکثر مسلمان اس آیت کی رو سے کافر ہو جائینگے۔ کیونکہ آج کے مسلمان قرآن کریم پر اپنا فیصلہ نہیں کرتے (اگرچہ مانتے ہیں) مفسّرین اس آیت کی تاویل کرتے ہیں کہ یہاں من لم یحکم، من لم یعتقد کے معنی میں ہے یعنی جو حضرات قرآن کریم کے فیصلہ پر اعتقاد نہیں رکھتے وہ کافر ہیں۔ اور اگر اعتقاد رکھتے ہوں عمل نہیں کرتے (جیسا کہ آج کل مسلمانوں کی اکثریت کی حالت ہے) تو وہ کافر نہیں۔ ہاں گناہ گار ضرور ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی اور بے شمار آیات ہیں۔ جن کا ظاہری معنی لیکر مراد واضح نہیں ہوتی یا ان میں تعارض ہوا کرتا ہے۔ مفسرین وفقہاء کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس طرح کی آیات واحادیث میں تطبیق پیدا کی اور ان کی مراد کو واضح کیا۔ انصاف کی بات ہے کہ کتاب الطھارۃ سے کتاب الفرائض تک یعنی وضو نماز روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق ودیگر تمام معاملات کی احادیث میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے کئی مسائل ہیں کہ ان میں جواز عدم جواز اولیٰ غیر اولیٰ دونوں طرف سے روایات مروی ہیں۔

اب اگر ایک طرف کی روایات کو دیکھ کر ان پر عمل کیا جائے تو دوسری طرف روایات پر عمل کرنا رہ جاتا ہے اور اگر دوسری طرف عمل ہو تو پہلی قسم کی احادیث بلا عمل کے رہ جاتی ہیں ان حالات میں فقہاء ومجتہدین نے دونوں قسم کی روایات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئے اجتہاد کی قوت کو استعمال فرمایا اور دونوں قسم کی روایات میں ایسی تطبیق (جوڑ) پیدا فرمائی کہ جس سے تمام مسائل حل ہوئے اور تمام احادیث پر عمل ہو گیا۔

مسائل شرعیہ کو سمجھنے کیلئے محض حدیث دانی کافی نہیں

فتاویٰ رحیمیہ میں اس بات کو وضاحت سے سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ مسائل شرعیہ کو سمجھنے کیلئے محض حدیث دانی (احادیث کا یاد کرنا، جاننا) اور قرآن وحدیث کے ظاہر کو دیکھ فیصلہ کر لینا کافی نہیں بلکہ اس کیلئے فقہ، اصول فقہ سے

واقفیت اور تفقہ فی الدین کا حصول نہایت ضروری ہے اسی کے بغیر اصل مقصود تک رسائی ممکن نہیں ۔ کئی حضرات اس طرح قرآن وحدیث کے ظاہر کو دیکھ کر غلطی کر چکے ہیں۔

ذیل میں فتاویٰ کی عبارت کو نقل کیا جاتا ہے:

(۱) علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب میں علامہ خطابیؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔

قال الخطابی و کان بعض مشائخنا یروی الحدیث عن البنی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھیٰ عن الحلق قبل الصلوٰۃ یوم الجمعۃ باسکان اللام قال واخبرنی انہ بقی اربعین سنۃ لایحلق رأسہ قبل الصلوٰۃ قال فقلت لہ انماھو الحلق جمع حلقۃ وانما کرہ الاجتماع قبل الصلوٰۃ للعلم والمذاکرۃ وامران یشتغل بالصلوٰۃ وینصت للخطبۃ فقال قدفرجت عنی۔

یعنی ایک شیخ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ جمعہ کے روز نماز سے پہلے حجامت بنوائی جائے اور اس کے بعد کہا کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے میں نے چالیس سال سے کبھی جمعہ سے پہلے سر نہیں منڈوایا ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں میں نے کہا حضرت "حلق" بسکون اللام نہیں بلکہ "حلق" لام کے فتحہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ حلقۃ کی جمع ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ سے

پہلے علم اور مذاکرہ کے حلقے درست نہیں اس لئے کہ یہ نماز پڑھنے اور خطبہ سننے کا وقت ہے یہ سن کر وہ شیخ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ تم نے مجھ پر بہت آسانی کردی۔ (تلبیس ابلیس ص ۱۲۶)

(۲)......ایک بڑے محدث نے یہ حدیث بیان کی۔

"نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذالروح عرضا"

اور اس حدیث کی تشریح یہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہوا کیلئے دریچہ (کھڑکی) کو عــــرضَـــا (چوڑائی میں) بنایا جائے۔ حالانکہ حدیث کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے حدیث میں لفظ روح راء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور محدّث صاحب نے اس کو راء کے فتحہ کے ساتھ سمجھا اور غــرضَــا کے بجائے عــرضَا (بغیر نقطے والے عین کے ساتھ) پڑھا جس سے مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کیا گیا۔ حالانکہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی جاندار کو باندھ کر تیر (وبندوق وغیرہ) کا نشانہ بنایا جائے۔ یہ ہے دین کی سمجھ حاصل نہ کرنے اور اپنے فہم پر اعتماد کا ثمرہ

(مقدمہ مسلم شریف ص ۱۸ ج ۱ و ص ۱۵۳ ج ۲)

(۳)......کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ایک محدّث کی عادت تھی کہ استنجاء کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے جب اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو دلیل یہ پیش فرمائی کہ حدیث شریف میں ہے

"من استجمر فلیوتر"

جو شخص استنجاء کرے وہ اس کے بعد وتر پڑھے۔

حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کیلئے جو ڈھیلے استعمال کئے جائیں وہ وتر (طاق عدد) ہوں یعنی تین یا پانچ یا سات۔

(۴)......علامہ داؤد ظاہری (جو قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں) نے لایَبُولَنَّ احدُکم فی الماء الدّائم (تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے) کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ ماء راکد (ٹھہرے ہوئے پانی) میں پیشاب کرنا منع ہے اور پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن اگر کسی الگ برتن میں پیشاب کر کے وہ برتن پانی میں الٹ دیا گیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص پانی کے کنارے پیشاب کرے اور پیشاب بہہ کر پانی میں چلا جائے تب بھی پانی ناپاک نہ ہوگا اس لئے کہ حدیث میں صرف ماء راکد میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان تینوں صورتوں میں ماء راکد میں پیشاب نہیں کیا۔ لہٰذا پانی ناپاک نہ ہوگا، امام نووی شارح مسلم شریف میں شرح مسلم میں علامہ داؤد ظاہری کے اس فتویٰ کو نقل کے بعد فرمایا ہے کہ "یہ فتویٰ داؤد ظاہری کے جمود علی الظاہر کے غلط مسائل میں ایک مسئلہ ہے۔

(نووی شرح مسلم ص ۱۳۸ ج رحیمیہ ۸۸ ج ۱)

یہ چند مثالیں پیش کی گئیں جن سے معلوم ہوا کہ محض تھوڑی بہت عربی دانی قرآن وحدیث کو سمجھنے کیلئے کافی نہیں بلکہ قرآن وحدیث سے استنباط (مسائل کا

نکالنا) اور ان کے دقیق باریک رازوں کو جاننا اور اس پر دیگر مسائل کو قیاس کرنا، اور آیات واحادیث میں تعارض کو بطریقہ احسن ختم کرنا، اور ناسخ ومنسوخ کا جاننا مجتہد کا کام ہے ذیل میں اجتہاد کی شرائط ذکر کی جاتی ہیں تاکہ ہر کس وناکس مجتہد بننے کی ناکام کوشش نہ کر سکے۔

اجتہاد کی شرائط:

اس بحث کے آخر میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر کس وناکس مجتہد نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اجتہاد کے لئے بہت سی شرائط ہیں جب تک وہ شرائط نہ پائی جائیں کسی کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں۔

چنانچہ امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"من كان عالما بالكتاب والسنة وبقول اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبما استحسن فقهاء المسلمين وسعه ان يجتهد رأيه فيما ابتلى به"

ترجمہ:...... جو شخص کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال اور فقہاء مسلمین کے استحسان کو جاننے والا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اس مسئلہ میں کہ جس میں مبتلا ہوا ہے۔

یعنی اجتہاد کے لئے کتاب وسنت وغیرہ کا علم ضروری ہے ورنہ تو اجتہاد نہیں کر سکتا ہے۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے:

"لایقیس الامن جمع آلات القیاس وهی العلم باالاحکام من کتاب اللّٰه وفرضه وادبه وناسخه ومنسوخه وعامه وخاصه وارشاده وندبه ویستدل علیٰ مااحتمل التاویل منه بسنن الرسول ﷺ وباجماع المسلمین فاذالم یکن سنة ولااجماع فاالقیاس علیٰ کتاب اللّٰه فان لم یکن فاالقیاس علیٰ قول عامة السلف الذین لایعلم لهم مخالفاولایجوز القول فی شیء من العلم الامن هذه الاوجه اومن القیاس علیهاولایکون لاحد ان یقیس حتیٰ یکون عالمابمامضیٰ قبله من السنن واقاویل السلف واجماع الناس واختلافهم ولسان العرب" (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۶۶)

جس کا مطلب یہ ہے کہ قیاس صرف وہی شخص کرے جس نے آلات قیاس کو جمع کیا ہو اور آلات قیاس کتاب اللہ کے احکام کا علم ہے اور کتاب اللہ کے فرائض آداب ناسخ منسوخ عام خاص ارشاد و ندب کا اور کتاب اللہ میں جو تاویل کا احتمال رکھتا ہو اس پر سنن رسول ﷺ اور اجماع مسلمین کے ساتھ استدلال کر سکتا ہو اور جب اس کے سامنے سنت اور اجماع نہ ہو تو کتاب اللہ پر قیاس کر سکتا ہو اگر سنت میں بھی نہ ہو تو سلف صالحین کے اقوال پر قیاس کر سکتا ہو جن کے بارے میں اس کو کوئی خلاف معلوم نہ ہو۔

اور علم دین میں کسی شئے کے بارے میں کوئی قول کرنا جائز نہیں ہے جب تک یہ وجوہات اس کو معلوم نہ ہوں یا اس پر قیاس معلوم نہ ہو اور کسی کے لئے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ قیاس کرے یہاں تک کہ وہ زمانہ ماضی کے سنن اور سلف کے اقوال اور اجماع اور ان کے اختلاف اور لغت عرب کا عالم ہو جائے۔

حاصل یہ ہوا کہ ان شرائط کا ہونا مجتہد میں ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ بالاتفاق مجتہدین تھے اور مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے وہ مسائل میں اجتہاد و قیاس سے کام لیتے تھے۔ جب وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے بخوبی واقف ہوتے تو جب اس میں کوئی مسئلہ صراحۃً نہ ملتا اس کے بعد ائمہ نے بامر مجبوری شارع کی طرف سے اجتہاد کیا ہے اور اپنے دقیق اجتہاد سے قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کئے ہیں۔

"اللّٰھم فبرّد مضجعھم آمین یا احکم الحاکمین"

مسائل میں اختلاف پر اعتراض کرنے والوں کا اشکال اور اس کا جواب

اس سے قبل حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے درمیان مسائل کی اختلاف کی بات کسی قدر تفصیل سے گزر گئی اب مزید وضاحت کے طور پر اس کی تشریح کی جاتی ہے۔

عام طور پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اللہ ایک، رسول ایک قرآن ایک ہے پھر اس کے باوجود ائمہ اربعہ کے درمیان مسائل میں اختلاف کیوں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے اولین مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ ہی تھے وہ آپ علیہ السلام سے براہ راست فیض یافتہ تھے اس لئے وہی حضرات قرآن وحدیث کو اچھے طریقے سے سمجھ سکتے تھے۔ لہٰذا ان حضرات نے جو سمجھا ہے وہ ہمارے لئے معیار اور مشعل راہ ہے قرآن اور رسول کے ایک ہوتے ہوئے بھی حضرات صحابہ کرامؓ کے مابین بے شمار مسائل میں اختلاف تھا۔

ائمہ اربعہ نے ان ہی حضرات سے فیض یافتہ حضرات یعنی تابعین کی فہم وبصیرت پر اعتماد کیا اور ان ہی کے اقوال ومذہب کو اختیار کیا اس لئے ان کے درمیان میں بھی مسائل میں اختلاف واقع ہوا اور صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلاف کے متعلق حدیث میں ہے "میں نے اپنے صحابہؓ کے باہمی اختلاف کے متعلق پوچھا اللہ نے بذریعہ وحی بتلایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے صحابہ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان کے ستارے، کہ ان میں بعض کی روشنی بعض سے زیادہ ہے جو شخص آپ کے صحابہ کے مسالک مختلفہ میں سے کسی مسلک کو اختیار کریگا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابۃ)

صحابہ کرامؓ کے درمیان مسائل میں باہمی اختلافات کی تھوڑی بہت تفصیل آپ حضرات نے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائی۔ لہٰذا ان کے علوم کو حاصل کرنے والے ائمہ اربعہ میں بھی اختلاف کا ہوجانا ظاہر ہے۔

ایک اور شبہ:

(۱) عام طور پر یہ شبہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اجتہاد قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور مجتہد کی بات ماننے میں کچھ حرج نہیں اور ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام ملک اور امام احمد بن حنبلؒ) بالاتفاق مجتہدین ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ مجتہدین تو اور بھی بہت گزرے ہیں تو صرف ان چار اماموں کی بات ہی کیوں ماننی ہے۔ کیا قرآن وحدیث میں ان کی صراحت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض بے جا ہے۔

انتہائی ادب سے عرض ہے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کیلئے قرآن وحدیث میں اس کے ذکر کی صراحت ضروری نہیں ورنہ یہ سوال (خصوصًا صرف قرآن وحدیث ہی کے ماننے والوں کو) مہنگا پڑے گا۔ مثلاً کتاب وسنت سے سنت کا واجب العمل ہونا ثابت ہے مگر نام لیکر بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کو صحاح ستہ نہیں کہا گیا اور نہ ہی قرآن وحدیث میں بخاری اور مسلم کو صحیحین اور بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا گیا ہے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں قرآن کریم اسی موجودہ ترتیب کے ساتھ مدوّن اور جمع نہیں تھا۔ اس ترتیب کے ساتھ جمع کرنے کا جواز قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں نہیں ہے۔ (ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ضرور موجود ہے) کیا یہ بھی ناجائز ہوا۔

(۳) قرآن کریم پر اعراب کے لگانے کا مرحلہ آپ علیہ السلام کے مبارک دور کے کافی بعد ہوا ہے قرآن وحدیث میں اس کے لگانے کی صراحت نہیں کیا یہ بھی ناجائز ہوا؟

(۴) اصول حدیث، مرسل، مدلس، معضل، صحیح، حسن، ضعیف، منقطع وغیرہ اقسام حدیث کی تعریفیں نہ قرآن کریم میں ہے نہ احادیث میں، کیا یہ اصطلاحات سب ناجائز ہیں؟ حالانکہ مخالفین حضرات بھی ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۵) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض محدثین، سو اور بعض دو سو برس کے بعد اور کچھ اس سے بھی زیادہ زمانہ کے بعد پیدا ہوئے مثلاً امام بخاریؒ امام مسلمؒ وغیرہ یہ تو امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ کے بعد دنیا میں تشریف لائے اس کے بعد انہوں نے حدیث کی کتابیں لکھیں مگر اس سے ان کی کتابیں کمزور اور ناقابل اعتبار نہیں سمجھی گئی اسی طرح امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل وکرم سے عالم اور مجتہد بنایا اور انہوں نے قرآن وحدیث سے دین کے مسائل مستنبط کئے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے کہ جی ان کا نام قرآن وحدیث میں آنا چاہئے تھا۔

الغرض جس طرح مذکورہ ساری چیزیں محض اس وجہ سے صحیح ہیں کہ امت کے علماء وصلحاء سے ان کو تلقی بالقبول حاصل ہے (یعنی امت نے ان چیزوں کو قبول کیا اور ان پر کوئی اعترض نہیں کیا) اسی طرح صرف ائمہ اربعہ کی ماننے کو بھی تلقی

بالقبول حاصل ہے۔ لہٰذا قرآن وحدیث میں ان کا نام صراحت سے ہونا ضروری نہیں۔

مذاہب اربعہ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی رائے

(حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ کی مختلف عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے)

"لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الیٰ ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان ذالک باطلاً لانکروه"

ترجمہ:...... کیونکہ صحابہ کے وقت سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور رہا کہ جو عالم مجتہد مل جاتا اس کی تقلید کر لیتے۔ (مثلاً مدینہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور مکہ میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مختلف جگہوں میں مختلف صحابہ کرام اور دیگر مجتہدین کی تقلید شخصی ہوا کرتی تھی۔ تفصیل کیلئے اس موضوع پر لکھی جانے والے کتابوں کا مطالعہ مفید ہے۔ فاروقی) اس پر کسی معتمد علیہ شخصیت نے نکیر نہیں کی اور اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات (صحابہ وتابعین) ضرور نکیر فرماتے۔ (عقد الجید ص ۲۹)

آگے جا کر فرماتے ہیں:

"وبعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لايعتمد علىٰ مذهب مجتهد بعينه وكان هذاهو الواجب فى ذالك الزمان"

ترجمہ:......اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی (یعنی تقلید شخصی) کا رواج ہوا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں۔ (یعنی عموماً تقلید شخصی کا رواج ہو گیا) اور یہی طریقہ اس وقت رائج تھا۔ (انصاف مع ترجمہ کشاف ص ۵۹)

اور فرماتے ہیں:

"وهذه المذاهب الاربعة المدوّنة المحرّرة قداجتمعت الامة اومن يعتدبهاعلىٰ جوازتقليدهاالىٰ يومناهذا"

ترجمہ:......اور یہ مذاہب اربعہ جو مدوّن ومرتب ہو گئے ہیں پوری امت نے یا امت کے معتمد حضرات نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے (اور یہ اجماع) آج تک باقی ہے۔

اور فرماتے ہیں:

"وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سرّالهمه الله تعالىٰ العلماء جمعهم عليه من حيث لايشعرون اولايشعرون"

ترجمہ:...... الحاصل ان مجتہدین کے مذہب کے پابندی ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں الہام کیا اور اس پر ان کو متفق کیا ہے وہ تقلید کرنے کی مصلحت اور راز کو جانیں یا نہ جانیں۔ (انصاف ص ۴۷)

مجتہدین کے مذہب چار میں منحصر ہونے کی ایک ظاہری وجہ یہ بھی ہے کہ آج جس قدر تفصیل کے ساتھ ہر بات اور ہر فصل کے مسائل **کتاب الطہارۃ** سے **کتاب الفرائض** تک ائمہ اربعہ کے مذہب میں مدوّن اور مجتمع (جمع شدہ) ہیں ان کے علاوہ کسی اور مجتہد کے مسائل نہیں اس لئے امت نے تقلید کو ان ہی ائمہ اربعہ میں منحصر کیا۔

چاروں اماموں کا مذہب سنت نبوی کے موافق ہے

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ائمہ اربعہ کے اس اختلاف کو ایک دلچسپ مضمون انداز کے ذریعہ سمجھایا ہے وہ یہ کہ ''ائمہ اربعہ اسلام کے اصول ومبادی میں متفق ہیں ایک ذرّہ برابر اختلاف نہیں ہے۔

ہاں عملی مسائل میں ان کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے وہ اختلاف دراصل اسلام میں نہیں ہے بلکہ آپس کے دماغی تناسب اور رجحانات کا اختلاف ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال میں مختلف مدارج (راستے) تسہیل (آسانی) کی غرض سے طے فرمائے ہیں، ان مختلف مدارج کی ترتیب نہ معلوم ہونے یا تسلیم نہ کرنے یا مختلف مقاصد پر محمول کرنے کی وجہ سے آپس میں

اختلاف ہو گیا مگر مآل اور مقصد میں سب متفق ہیں، اس قسم کا اختلاف ہر نیک سے نیک کام میں ہو جاتا ہے مثلاً دس آدمی اس امر میں متفق ہوئے کہ محتاج کو کھانا کھلانا ثواب کا کام ہے جب عمل کرنے لگیں تو ایک شخص تو کھانے کی جگہ اس کو نقد پیسے دیدے دوسرا ایک قسم کا کھانا اور تیسرا دوسری قسم کا کھانا دے تو دس آدمیوں کے عمل کی دس صورتیں ہو جائیں گی مگر مقصد میں سب متفق ہیں۔

اہل سنت کے چار اماموں میں اسی قسم کا اختلاف ہے۔ حقیقت اسلام میں سب متفق ہیں، عملی فریضے کی عملی صورت میں اختلاف ہے۔ اور جو صورتیں اختلاف میں متحقق ہوتی ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، پس ان میں کسی ایک صورت کو کسی نے آخری سمجھا اور اس کو عمل کے لئے متعین کر لیا، کسی نے دوسری صورت کو، اور کسی نے سب صورتوں کو جائز سمجھ کر عامل کو اختیار دے دیا کہ جو چاہے اختیار کرے مقصود سب کا اتباع سنت نبویہ ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کون سی صورت سنت ہے تو یہ اختلاف دین میں نہیں بلکہ لوگوں کے خیال اور تتبع اور تلاش میں ہے اور اس کا دین پر کچھ اثر نہیں۔ (کفایت المفتی ص ٣٢٧ جدید ترتیب ج١)

صرف ایک امام کی تقلید کی وجہ

(١) اب صرف یہ بات رہی کہ صرف ایک امام کی تقلید ہی کیوں ضروری ہے اس کا آسان جواب یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب شریعت کی جانب سے مجتہد کی بات ماننے کی اجازت مل گئی (اور ائمہ اربعہ بالاتفاق مجتہد ہیں) تو صرف ایک ہی

مجتہد کی ماننے میں کیا حرج ہے۔دوم یہ کہ اس ملک میں یہ سوال ہی غلط ہے جیسے یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مجتہد تھے اور لوگ ان کی بات مانتے تھے۔اور مدینہ والے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہی بات مانتے تھے جیسا کہ بخاری میں موجود ہے)اسی طرح اس ملک میں مساجد/ مدارس صرف امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے ہیں۔دوسری مذہب کے علماء موجود نہیں اسلئے یہاں ایک ہی امام کی ماننا یقینی ہے اس کے بغیر دین پر صحیح طرح عمل کرنا ممکن نہیں۔

(۲) امداد المفتیین میں حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب نوّر اللہ مرقدہ نے بہت انصاف سے یہ بات کہی ہے

''احقر کے خیال میں اس آیت "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون" (سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو علم نہیں) سے یہ بالکل واضح ہے کہ جو لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے کہ خود قرآن وحدیث سے احکام سمجھ کر عمل کر سکیں ان کے لئے یہ حکم ہے کہ اہل علم سے پوچھ کر عمل کیا کریں اسی کا نام تقلید ہے البتہ تقلید شخصی کے وجوب پر اس آیت سے استدلال نہیں ہوسکتا بلکہ مطلق تقلید کا ثبوت ملتا ہے ہاں مطلق تقلید کے چونکہ دوفرد ہیں ایک تقلید غیر معین اور ایک تقلید معین۔تو مطلق باطلاقہ دونوں فردوں کے جواز کا ضرور حامل ہے اسلئے آیت سے غیر مجتہد کے لئے مطلق تقلید کا وجوب اور معین اور غیر معین دونوں میں اختیار کرنا مستفاد ہوتا ہے۔

چونکہ علماء نے دیکھا کہ غیر معین کو اختیار کرنے میں مفاسد کثیرہ اور اتباع ہوئی وغیرہ کے خدشات غالب ہیں (ترجمان احناف کی عبارت اس ضمن میں تحریر کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ "آج کے دور میں عام طور پر علمی کم مائیگی اور اخلاص وللھیت کا فقدان جیسا کچھ ہے ظاہر ہے ایسی حالت میں اگر یہ طے ہوجائے کہ قرآن وحدیث کا مطلب جس کی سمجھ میں جو آئے وہ اس پر عمل کیا کرے اور اپنی سمجھ کے مطابق فتوئ صادر کیا کرے تو اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ بعض لوگ تو اپنے آپ کو مجتہد سمجھ کر قیاس کرنا شروع کردینگے اور جواز اجتہاد کو احادیث سے پیش کر کے کہینگے کہ اجتہاد کو حدیث نے کسی جماعت کے ساتھ مخصوص تو کیا نہیں ہے اور پھر ہم بھی تو آخر پڑھے لکھے ہیں قرآن وحدیث کا ترجمہ ہم نے بھی دیکھا ہے یا کسی عالم سے سنا ہے اور ہم اس کو سمجھ بھی گئے پھر ہمارا اجتہاد کیوں معتبر نہ ہو؟ اس طرح ہر کس وناکس مدّعی اجتہاد ہوگا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد کے موافق فتوئ دے گا پھر ایک دوسرے کے فتوئ کو باطل قرار دے گا تُو، تو، میں، میں ہوگی اور امت میں سخت اختلاف اور فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ (فاروقی)

اس لئے اس سے منع کردیا گیا۔ لہٰذا تقلید کا دوسرا فرد یعنی تقلید معین لازم ہوگئی اس کی بعینہ مثال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل اور اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ قرآن سبعة احرف پر نازل ہوا اور عہد نبوت میں ساتوں لغات میں پڑھا گیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض تنازعے پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو یہ فرمایا کہ ھٰکذا انزل وھکذا انزل (اس

طرح بھی نازل ہوا اور اس طرح بھی) پھر عہد صدیقی میں جب اسلام بلاد عجم میں شائع ہوا اور قرآن عجمی لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا تو سبعۃ احرف (سات لغات) کا اختلاف جو اختلاف محمود و مطلوب تھا تو باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سات لغات میں سے ایک حرف کو باقی رکھ کر باقی سے منع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا اس بناء پر نہ تھا کہ وہ چھ لغات قرآنی نہ تھے بلکہ محض مفاسد کا سدّ باب کرنے کیلئے یہ ضرور داعی ہوا ٹھیک یہی صورت تقلید کے مسئلہ میں پیش آئی کہ عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں ہر غیر مجتہد کو اختیار تھا کہ وہ کسی معین عالم کی تقلید کرلے یا غیر معین طریق پر جس عالم سے چاہے مسئلہ پوچھ کر عمل کرے مگر قرون مابعد میں اتباع ھوٰی (خواہش) کا گمان غالب ہوگیا اس لئے باجماع اہل حق تقلید غیر معین سے منع کر دیا گیا۔ (امداد المفتیین ص ۱۴۷)

(۳) اھل مدینہ کا تعامل زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی:

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ سے روایت ہے......

"انّ اھل المدینۃ سألوا ابن عباسؓ عن امرءۃ طافت ثمّ حاضت قال لھم تنفر قالوا لا ناخذ بقولک وندع قول زید"

(بخاری کتاب الحج)

ترجمہ:...... اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہوئی ہے (کہ وہ

طواف وداع کیلئے پاک ہونے کا تک انتظار کرے یا طواف اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کو چلا جانا جائز ہوگا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جا سکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زیدؓ بن ثابت کے قول کے خلاف عمل نہیں کرینگے۔

فتح الباری میں بحوالہ ثقفی اسی واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

"افتیتنا اولم تفتنازید بن ثابت یقول لا تنفر"

آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں حضرت زید بن ثابت تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف) واپس نہیں جا سکتی۔

نیز فتح الباری میں بحوالہ مسند ابی داؤد طیالسی بروایت قتادہؓ اسی واقعہ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

"فقالت الانصار لانتابعک یاابن عباس وانت تخالف زیدًا فقال سلوا صاحبتکم ام سلیم" (فتح الباری ص ۴۶۳ ج ۳)

اس واقعہ میں انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی گفتگو کے الفاظ مذکورسے دو چیزیں بوضاحت ثابت ہو گئیں۔ اول تو یہ کہ انصار مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے ان کے قول کے مقابل کسی فتوے پر عمل نہیں کرتے تھے۔

دوم یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان لوگوں پر یہ اعتراض نہیں فرمایا جو ہمارے زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث مقلدین پر کرتے ہیں کہ تقلید شخصی تو شرک فی النبوۃ ہے حرام، ناجائز ہے بلکہ ان کو مسئلہ کی تحقیق اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف دوبارہ مراجعت کے لئے ارشاد فرمایا۔

چنانچہ فتح الباری ہی میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ارشاد کے موافق حضرت امّ سلیم سے واقعہ کی تحقیق کی اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف مراجعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے کر حدیث کی تحقیق فرما کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو قبول فرمالیا اور اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کرلیا۔

(کما صرّح بہ فی الفتح ص ۴۶۴ ج ۲)

الغرض اس واقعہ سے اتنی بات پر انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اتفاق معلوم ہوا کہ جو لوگ شان اجتہاد اور کافی علم نہیں رکھتے وہ کسی امام معیّن کی تقلید کو اپنے پر لازم کرلیں تو بلاشبہ جائز ہے۔

تنبیہ: ......اس واقعہ سے قرن اوّل اور حضرات صحابہ کرامؓ کے تعامل سے تقلید شخصی کا ثبوت وجواز ثابت ہوا پھر قرون متاخرہ میں اس کو واجب ولازم قرار دینے کا سبب یہ ہوا کہ بغیر اس کے اتباع ہوئی سے محفوظ رہنا عادۃً محال ہوگیا۔

(ماخوذ از جواھر الفقہ، مؤلف حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ص ۱۵۵)

حاصل کلام:

اس پوری فصل کا حاصل یہ ہوا کے اجتہاد قران وحدیث سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور ائمہ اربعہ (امام اعظم امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ) بالاتفاق مجتہدین تھے: ان چاروں میں سے کی ایک امام کی تقلید اس دور میں ضروری ہے۔ (فصل اوّل ختم ہوئی)

فصل دوم

حضرت امام ابوحنیفہؒ رائے وقیاس کو قرآن وحدیث پر مقدم نہیں کرتے تھے

یہ بات جاننی چاہیئے کہ امام ابوحنیفہؒ کو ان کی زندگی ہی میں لوگوں نے مخالفت سنت کا مورد الزام ٹھرایا تھا کہ امام صاحب قرآن وحدیث سے پہلے رائے وقیاس کو مقدم کرتے ہیں پھر یہ الزام بڑھتا گیا امام صاحب کی وفات کے بعد فسادیوں نے اس الزام کو اور زیادہ لوگوں میں مشہور کر دیا حالانکہ یہ محض افتراء اور بہتان عظیم ہے خود حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے:

"کذب واللہ وافتری علینا من یقول اننا نقدم القیاس علی النص وھل یحتاج بعد النص الی قیاس"

(المیزان للشعرانی ص ۵۱)

خدا کی قسم؛ جھوٹ بولا ہے اور افتراء کیا ہے ہمارے اوپر اس آدمی نے جو یہ کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں اور کیا نص کے بعد بھی کسی قیاس کی احتیاج وضرورت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب پہلے کو قرآن وحدیث میں خوب دیکھتے تھے اگر نہ پاتے تو اس کے بعد قیاس اور اجتہاد کرتے مگر نص کی موجودگی میں ہر

گز قیاس واجتہاد نہیں کرتے تھے۔

اور پھر فرماتے ہیں :

"نحن لانقيس الاعند الضرورة الشديدة وذالک انا ننظر في دليل المسألة من الكتاب والسنة او اقضية الصحابة فان لم نجد قسنا حينئذ"

ہم مسئلہ کی دلیل کتاب اور سنت رسول ﷺ میں دیکھتے ہیں یا صحابہ کرامؓ کے فیصلوں میں اگر ہم ان میں نہیں پاتے تو اس کے بعد ہم قیاس کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو جعفر منصور نے آپ کی طرف خط لکھا جس میں لکھا ہوا تھا

"بلغني انک تقدم القياس على الحديث"

"مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں"

آپ نے اس پر رد کیا اور فرمانے لگے۔

"ليس الامر كما بلغک يا امير المؤمنين انما اعمل اوّلاً بكتاب الله ثم بسنة رسول الله ﷺ ثم باقضية ابي بكر وعمر وعثمان وعلي رضي الله عنهم ثم باقضية بقية الصحابة ثم اقيس بعد ذالک اذا اختلفوا"

ترجمہ:...... معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ کو اس کی اطلاع ملی ہے اے امیر المؤمنین؛ میں تو سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر پھر حضرت ابوبکر وحضرت وعمر وحضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر، پھر جب وہ آپس میں اختلاف کریں اس کے بعد میں قیاس کرتا ہوں۔ (المیزان للشعرانی ص ۵۲ ج ۱)

یہ تمام صریح روایات ہیں جو خود امام صاحب سے مروی ہیں۔ اور اسی طرح کی بہت سی روایات ملتی ہیں جس میں امام صاحب نے واضح کردیا ہے کہ میں ہرگز اپنے اجتہاد کو قرآن وحدیث اور صحابہ کرامؓ کے فیصلوں سے مقدم نہیں کرتا۔

ایک عجیب انداز میں امام صاحب کا اپنے نفس سے مذکورہ الزام کی نفی کرنا

یہ ایک واقعہ ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد باقر زین العابدینؒ کے درمیان پیش آیا جس میں امام صاحب نے ثابت کیا کہ میں قرآن وحدیث سے پہلے اپنی رائے کو پسند نہیں کرتا ہوں۔

جب امام ابوحنیفہؒ اپنے اوّل زمانہ اجتہاد میں مشہور ہوئے تو امام محمد باقر کی آپ سے ملاقات ہوئی تو امام محمد باقر نے امام صاحب سے پوچھا "انت الذی حولت دین جدی واحادیثه باالقیاس" آپ وہی آدمی ہیں جنھوں نے میرے دادا (محمد ﷺ) کے دین کو بدل دیا اور ان کی احادیث مبارکہ کو قیاس

سے بدل دیا آپ نے فرمایا معاذ اللہ میں تو اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسے فعل سے، پھر ان کو فرمایا کہ آپ اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں میں بھی بیٹھ جاؤں گا اس لئے کہ آپ کی میرے نزدیک وہی قدر ہے جس طرح آپ ﷺ کی قدر صحابہ کرامؓ کے ہاں تھی ان کی زندگی میں۔

پھر اس کے بعد امام ابو حنیفہؒ انکے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے پھر امام صاحب نے فرمایا کہ میں آپ سے صرف تین سوالات کرتا ہوں مجھے آپ جواب دیجئے

"الرجل اضعف ام المرء ة"

مرد زیادہ ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقرؒ نے فرمایا کہ عورت ضعیف ہے پھر امام صاحب نے پوچھا

"کم سهم للمرأة "

عورت کے لئے مال کا کتنا حصہ ہے؟

تو محمد باقرؒ نے فرمایا

"للرجل سهمان وللمرأة سهم"

"مرد کے لئے دو حصے ہیں اور عورت کے لئے ایک حصہ ہے"

امام صاحب نے فرمایا کہ یہ آپ کے دادا (محمد ﷺ) کا قول ہے اگر میں نے آپ کے دادا کے دین کو بدلا ہوتا تو میں قیاس کے ذریعے کہتا کہ عورت کو دو حصے مل جائیں اس لئے کہ وہ ضعیف (کمزور) ہے اور مرد کو ایک حصہ مل جائے

اس لئے کہ وہ بنسبت عورت کے قوی ہے۔

پھر دوسرا سوال کیا "الصلوٰۃ افضل ام الصوم" نماز افضل ہے یا روزہ تو محمد باقرؒ نے فرمایا "الصلوٰۃ افضل" نماز افضل ہے امام صاحب نے فرمایا یہ آپ کے دادا کا فرمان ہے "ولو حولت دین جدک لکان القیاس ان المرءۃ إذا طهرت من الحیض امرتها ان تقضی الصلوٰۃ ولا تقضی الصوم" اگر میں آپ کے دادا کے دین کو بدلا ہوتا تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ عورت کو حیض سے پاک ہونے کی صورت میں میں اس کو یہ حکم دیتا کہ نماز کی قضاء کرے اور روزہ کی نہیں اس لئے کہ نماز افضل ہے۔

پھر تیسرا سوال کیا کہ بول زیادہ نجس ہے یا نطفہ تو محمد باقرؒ نے فرمایا کہ بول زیادہ نجس ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔

"فلو کنت حولت دین جدک بالقیاس لکنت امرت ان یغتسل من البول ویتوضأ من النطفة"

اگر میں نے آپ کے دادا کے دین کو بدلا ہوتا میں حکم دیتا کہ پیشاب (چونکہ زیادہ نجس ہے اس لئے اس) کے خروج (نکلنے) سے غسل کیا جائے اور نطفہ (چونکہ بول سے زیادہ نجس نہیں ہے اس لئے اس) کے خروج سے وضو کیا جائے۔

"ولکن معاذاللہ ان احول دین جدک بالقیاس"

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کے دادا کے دین کو قیاس سے بدلوں۔

اس مکالمے کے بعد

"فقام محمدفعانقه وقبّل وجهه واكرمه"

امام باقرؒ اٹھے اور امام ابوحنیفہؒ سے معانقہ کیا اور ان کا بوسہ لیا اور ان کی عزت کی۔

اس واقعہ کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف امام ابوحنیفہؒ کبھی اپنی رائے کو مقدم نہیں کرتے تھے ہاں بعض مسائل جو قرآن وحدیث میں صراحۃً نہ ہوتے تو اس میں اپنی رائے واجتہاد سے کام لیتے تھے جو مامور من جانب الشرع ہے۔

امام صاحب پر مذکورہ الزام بے اصل ہے

مزید یہ کہ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنی کتاب "المیزان الکبریٰ" میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے (باوجودیکہ وہ شافعی المسلک ہیں) چنانچہ لکھتے ہیں۔

"فصل في بيان ضعف قول من نسب الامام اباحنيفةؒ الىٰ انه يقدم القياس علىٰ حديث رسول الله ﷺ"

یہ فصل ہے اس آدمی کے قول کے ضعف بیان کرنے میں جو امام ابوحنیفہؒ کی طرف نسبت کرتا ہے کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں۔

اعلم ان هذا الكلام صدر من متعصب على الامام متهور في دينه غير متورع في مقاله غافلاً عن قوله تعالیٰ ﴿ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسؤلاً﴾ وعن قوله تعالیٰ ﴿مايلفظ من قول الالديه رقيب عتيد﴾

یہ قول (کہ امام صاحب قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے تھے) اس شخص سے صادر ہوا ہے جو امام صاحب سے تعصب کرنے والا ہے اور اپنے دین میں بے باک ہے اور اپنی بات میں پرہیز گار نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے (جس کا ترجمہ ہے) ”کان آنکھ دل ان سب کے متعلق قیامت والے دن پوچھا جائے گا“ یعنی اگر اس کو صحیح استعمال نہیں کیا تو اس کے بارے میں پو چھ ہوگی) اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی غافل ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ انسان کسی بات پر پر تلفظ نہیں کرتا مگر اس کے ساتھ نگہبان حاضر ہوتا ہے۔

مذموم اور ممدوح رائے کا فرق

یہ بھی جاننا چاہئے کہ رائے کی دو قسمیں ہیں ایک رائے وہ ہوتی ہے جو مذموم ہے جس کے بارے میں بعض روایات آئی جس میں اس قسم کی رائے کی مذمت وارد ہوئی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں بعض رائے ممدوح بھی ہے جو ممنوع نہیں ہے۔

چنانچہ شیخ محمد زاہد الکوثری "فقه اهل العراق و حديثهم" میں فرماتے ہیں۔

"وردت في الرأى آثار تذمه وآثار تمدحه والممدوح هو استنباط حكم النازلة من النص علىٰ طريقة فقهاء الصحابة والتابعين وتابعيهم برد النظير الىٰ نظيره في الكتاب والسنة"

ترجمہ:...... رائے کے بارے میں بعض آثار ہیں جو اس کی مذمت کرتے ہیں اور بعض آثار وہ ہیں جو اس کی تعریف کرتے ہیں اور مذموم وہ رائے ہے جو خواہش نفسانی سے ہو اور ممدوح وہ حکم کا مستنبط کرنا ہے نص (قرآن وحدیث) سے فقہاء صحابہؓ تابعینؒ کے طریقے پر۔ چنانچہ خطیب بغدادیؒ نے اس قسم کے آثار ذکر کیے ہیں۔ (تفصیل کے ملاحظہ ہو الفقیہ والمتفقہ ص ۱۷۱ ج ۱)

علامہ ابن عبد البر مالکیؒ نے مستقل باب باندھا ہے

"باب اجتهاد الرأى على الاصول عند عدم النصوص"

یہ باب نصوص کی عدم موجودگی میں اصول کے مطابق رائے سے اجتہاد کرنے کے بارے میں ہے اور اس میں احادیث اور آثار لائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں عمل رائی اور اجتہاد پر مجتہد کیلئے عمل کرنا جائز ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اس معنیٰ کے لحاظ سے ممدوح رائے وہ ہے کہ جس میں مجتہد قرآن وحدیث سے فقہاء صحابہؓ تابعین وتبع تابعین کے طریقے پر استنباط کرے

اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابو حنیفہؒ قرآن وحدیث سے صراحۃً مسئلہ نہ ملنے کے بعد اجتہاد کیا کرتے تھے جس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام صاحب کے اجتہاد کا ماخذ

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے خود فرمایا ہے:

"انا آخذ اولاً بکتاب اللّٰہ ثم السنة ثم بأقضية الصحابة ونعمل بما يتفقون عليه فان اختلفوا اقسنا حكمًا علىٰ حكم بجامع العلة بين المسألتين حتىٰ يتضح المعنىٰ"

ترجمہ:......ہم سب سے پہلے کتاب اللہ سے استدلال کرتے ہیں پھر سنت سے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فیصلوں سے، اور جس پر وہ حضرات متفق ہوتے ہیں اس پر ہم عمل کرتے ہیں لیکن اگر وہ آپس میں اختلاف کریں تو اس صورت میں ہم خود ایک حکم کو دوسرے حکم پر قیاس کرتے ہیں اس علت جامعہ کی وجہ سے جو کہ دونوں مسئلوں میں ہے تاکہ معنیٰ ومطلب خوب واضح ہو جائے۔

بالکل صاف طور سے امام صاحب نے اپنے اجتہاد کے ماخذ اور مذہب کی بنیاد بتلا دی اس کے باوجود یہ کہنا کہ امام صاحب قران وحدیث سے اپنے قیاس کو مقدم کرتے ہیں سراسر بہتان ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے:

"انا ناخذ اولا بکتاب اللّٰہ ثم بسنۃ رسول اللّٰہ ﷺ ثم باحادیث ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللّٰہ عنہم"

ہم پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہم کی احادیث پر۔

تاریخ بغداد ص ۳۶۸ ج ۱۳ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے۔

آخذ بکتاب اللّٰہ فان لم اجد فبسنۃ رسول اللّٰہ ﷺ فان لم اجد فی کتاب اللّٰہ ولا سنۃ رسول اللّٰہ ﷺ اخذت بقول الصحابۃ آخذ بقول من شئت منہم وادع من شئت منہم ولا اخرج من قولہم الیٰ غیرہم فاما اذا انتہی الامر اوجاء الیٰ ابراھیم والشعبی وابن سیرین والحسن وعطاء وسعید بن المسیب وعدد رجالاً فقوم اجتہدوا فاجتہد کما اجتہدوا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ سے دلیل پکڑتا ہوں اگر اس میں نہیں پاتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں سے بعض اقوال کو لیتا ہوں اور بعض اقوال کو چھوڑتا ہوں اور میں ان کے اقوال سے کسی اور کے اقوال کی طرف نہیں جاتا ہوں پھر اس کے بعد جب یہ کام بھی

مکمل ہو جائے اور بات ابراہیم، شعبی، وغیرہ مجتہدین تک پہنچ جائے تو جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا اس طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

اور یہ بھی مروی ہے......

"ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فعلی الرأس و العین بابی وامی ولیس لنا مخالفتہ"

جو آپ ﷺ کی طرف سے آئے تو وہ بسر و چشم قبول ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں اور ہمیں ان کی مخالفت کا حق حاصل نہیں ہے۔

کیا امام صاحبؒ نے شرعی مسائل اپنی طرف سے بنائے ہیں؟

اس کے جواب میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "واضح ہو کہ ہم لوگ حضرت سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے پیرو اور مقلد ہیں ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کتاب اللہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا افضل السلام وازکی التحیۃ کے اعلیٰ درجے کے عالم اور علوم دینیہ کے اول درجہ کے ماہر تھے۔ انہوں نے قرآن پاک اور احادیث سے جو احکام فقیہ نکال کر فقہ کو مدوّن کیا ہے وہ صحیح معنوں میں قرآن پاک اور احادیث کا عطر ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے لازوال خزانوں سے فقہ فی الدین کا بیش قدر ذخیرہ انہیں عطا فرمایا تھا اور تفقہ فی الدین میں ان کی رفعت شان نہ صرف احناف بلکہ علماء مذاہب اربعہ کے نزدیک مسلم ہے۔ اس لئے ان کے بتائے

ہوئے اور نکالے ہوئے احکام پر عمل کرنا بعینہ قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہے۔

معاذ اللّٰہ ثم معاذ اللّٰہ ۔

ہمارا یہ خیال وعقیدہ ہرگز نہیں کہ امام ابوحنیفہ کو منصب تشریع احکام کا حاصل ہے یعنی احکام شرعیہ محض اپنے قیاس ورائے سے وہ بنا سکتے ہیں یا بناتے ہیں یا ان کے بہر صورت واجب التعمیل ہیں خواہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے ہیں ۔صحابہ کرام کے برابر نہیں سمجھتے پھر نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھانا تو کجا۔ وہ صرف ایک امتی تھے۔ بشر تھے لوازم بشریت خطا ونسیان سے بھی مبرّا ومنزہ نہ تھے ۔مگر ہاں عالم تھے اور بہت بڑے عالم تھے ۔فقیہ تھے اور کامل فقیہ تھے ۔مجتہد تھے اور مسلم مجتہد تھے ۔مبدأ فیاض نے زیور علم وتفقہ تقوٰی وپرہیزگاری سے آراستہ کرنے کے ساتھ ہی انہیں شرف تابعیت سے بھی عطا فرمایا تھا (نیز امام صاحب نے چند صحابہ کرامؓ سے احادیث بھی سنی تھیں)اور خیر القرون میں ہونے کی بزرگی عطا فرمائی تھی ۔ باوجود اس علم واعتقاد کے وہ ایک انسان تھے اور ان سے غلطی اور خطا ممکن ہے۔

ہمارا یہ اعتقاد بھی ہے کہ ہر کس وناکس کو یہ مرتبہ اور حق حاصل نہیں کہ ان کے اقوال میں سے کسی قول کو بے اصل یا بے دلیل بتائے یا ان کے کسی قول کو خلاف ہونے کا الزام لگا کر چھوڑ دے۔

ہمارے مبلغ علم ہی کیا ہیں کہ ہم احادیث کے ناسخ ومنسوخ، مقدم ومؤخر، مؤول ومفسر اور محکم کو معلوم کر سکیں اور حدیث کی چند کتابیں، چند رسالے پڑھکر

ایسے مسلم مجتہد کے اقوال کی تغلیط اور اس کے تخطیہ پر آمادہ ہو جائیں۔

بزرگان سلف میں سے جو لوگ کہ علوم دینیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور قدرت نے انہیں خزانہ علوم سے پورا حصّہ عطا فرمایا تھا انہوں نے امام اعظم کے اقوال اور مسائل کو نظر تدقیق و تحقیق سے دیکھا اور جانچا۔ مخالفین کے اعتراضات کی جانچ پڑتال کی اور امام صاحب کے اقوال کے ماخذ کو نکال کر دکھائے اور ان کے اقوال کو مدلل کر دکھایا ہاں معدودے چند بعض مسائل ایسے بھی ملے کہ ان میں امام صاحب کے قول کے ماخذ پر انہیں بھی اطلاع نہ ملی اور امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال کو انہوں نے اس مسئلے میں اپنے علم اور خیال کے موافق راجح بتایا تو متأخرین حنفیہ نے بلا تردّد ایسے مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر ان علمائے اعلام کے قول کے موافق امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ وغیرہما کے اقوال کو معمول بہا بنا لیا۔ فقہ حنفی میں بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ ان میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ صاحبین وغیرہما کے اقوال مفتیٰ بہا ہیں اور یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ ہم خدانخواستہ امام ابو حنیفہؒ کو بالذات واجب الاطاعت نہیں سمجھتے بلکہ ان کا اتباع اور تقلید صرف اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراط مستقیم پر چلانے والے ہیں اور شاہراہ سنت پر ہمارے رہبر ہیں۔

اگر کسی موقع پر علماء متبحرین کاملین کے ارشاد سے امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کا ماخذ ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور صاحبین وغیرہما کا قول بظاہر زیادہ "اوفـــــق

بالکتاب والسنة" (قرآن وحدیث کے زیادہ موافق) ہوتا ہے تو ہم امام صاحب کے قول پر اصرار نہیں کرتے بلکہ صاحبین وغیرہما کے قول پر عمل کر لیتے ہیں کیونکہ مقصود اصلی اتباع خدا اور رسول ہے۔ (کفایت المفتی جدید ص ۳۳۹ ج ۱)

حقیقت یہ ہے کہ: حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے انتہائی وسعت ظرفی اور جامع مانع الفاظ سے امام صاحب کی عظمت اور ان کے مذہب کی تشریح بیان فرمائی ہے اس کے باوجود اگر مخالفین غور وتدبر نہیں کرتے تو کیا کیا جائے؟

آنکھیں اگر بند ہیں پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

امام صاحب کا خط قرآن وحدیث کو مقدم رکھنے کے بارے میں:

امام موفق بن احمدؒ نے "مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة" میں امام ابوحنیفہؒ کا خط نقل کیا ہے جو انہوں نے ابوعصمة نوح بن مریمؒ کو لکھا تھا (جب نوح بن مریم قاضی مقرر ہوئے تو انہوں نے امام صاحب کو خط لکھا امام صاحب نے ان کو خط کا جواب لکھ کر روانہ کیا) کہ آپ نے ایک بڑی ذمہ داری لی ہے جس سے بڑے بڑے لوگ عاجز ہیں تو آپ اپنے لئے اس کا حل تلاش کیجئے اور اللہ سے ڈرنے کا خاص اہتمام کریں اس لئے کہ یہ تمام امور کی جڑ ہے اور قیامت میں خلاصی کا سبب ہے اور ہر مصیبت سے نجات (اور آگے لکھا ہے) کہ قضاء کے جتنے ابواب ومسائل ہیں یہ بہت مشکل ہیں جس کو ماہر عالم کے علاوہ کوئی حل نہیں کرسکتا

وہ عالم جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر مکمل علم وعبور رکھتا ہو۔

"فإذا اشكل عليك شئ من ذالك فارحل إلى الكتاب والسنة والاجماع فان وجدت ذالك ظاهرًا فاعمل به وان لم تجده ظاهرًا فرده الى النظائر واستشهد عليه الاصول ثم اعمل بما كان الى الوصول اقرب وبه أشبه وشاور اهل المعرفة والبصر فان فيهم ان شاء الله من يدرك مالا تدركه انت۔

اگر آپ پر کوئی چیز مشکل ہو جائے تو اس کے بعد کتاب اللہ سنت اور اجماع کی طرف توجہ کریں اس کے بعد اگر آپ نے اس کو پالیا تو اس پر عمل کریں اگر آپ نے نہیں پایا تو اس چیز کو اس کے دوسرے نظائر کی طرف لوٹادیں اور باقی اصولوں سے اس چیز پر استشہاد کریں اس کے بعد عمل کریں اس پر جو اصول کی طرف اقرب و اشبہ ہو۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ جس طرح دوسروں کو حکم دے رہے ہیں کہ مسائل کو پہلے قرآن وحدیث میں تلاش کریں خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں یہ ان کو زیب نہیں دیتا کہ دوسروں کو تو قرآن وحدیث سے مسئلہ لینے کو کہیں اور خود قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنی رائے کو مقدم کریں۔

امام صاحب کے مسائل حقیقت میں احادیث سے مستنبط ہوتے ہیں

خطیب بغدادی شافعیؒ (متوفی ۴۶۲) نے اپنی کتاب میں علی بن خشرم سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یقول کنافی مجلس سفیان بن عیینة فقال یااصحاب الحدیث تعلموا فقه الحدیث لایقهرکم اهل الرأی ماقال ابو حنیفة شیئًا الاونحن نروی فیه حدیثا او حدیثین"

ہم سفیان بن عیینہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے حدیث والو! حدیث کی فقاہت کو سیکھو اہل رائے تم پر غالب نہ ہوں امام ابوحنیفہؒ نے کوئی قول نہیں کہا ہے مگر اس میں ہم ایک یا دو حدیث روایت کرتے ہیں۔

امام صاحب قیاس پر حدیث ضعیف کو مقدم کرتے تھے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے

"ان ضعیف الحدیث عنده (ابی حنیفة) اولیٰ من القیاس"

جس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے اولیٰ ہوتی تھی یعنی اگر ضعیف حدیث مل جاتی تو قیاس نہ کرتے اس کی بکثرت مثالیں فقہ حنفی میں موجود ہیں جیسے نماز کے اندر قہقہہ سے وضو کا لازم آنا اور حدیث

وضوبنبیذ التمر وغیرہ کی احادیث کو باوجود ضعیف ہونے کے امام صاحب نے قیاس پر مقدم کیا ہے۔

امام صاحب پر مذکورہ الزام حسد کی بناء پر تھا۔

قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم کرنے کے الزام کی وجہ یہی حسد تھی الزام لگانے والے یہ گوارہ نہیں کرسکتے تھے کہ امام صاحب کو اتنی بڑی فقاہت کیوں دی گئی ہے اوران کا مرتبہ بلند کیوں ہے؟

امام ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ کا اعتراف

چنانچہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

"کان ابوحنیفة یحسد وینسب الیه مالیس فیه ویختلق علیه مالایلیق به"

امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ حسد کیا جاتا تھا اوران کی طرف وہ باتیں منسوب کی جاتی تھیں جو ان میں نہیں تھیں اوران پر ایسا جھوٹ وافتراء بولا جاتا تھا جو آپ کی شان کے لائق نہیں تھا۔ امام ابوحنیفہؒ سے منقول بھی ہے۔

ان یحسدونی فانی غیر لائمهم

قبلی من الناس اهل الفضل قدحسدوا

ترجمہ:...... اگر یہ لوگ میرے ساتھ حسد کرتے ہیں تو میں ان کو ملامت کرنے والا نہیں ہوں مجھ سے پہلے جو صاحب فضیلت لوگ تھے ان

سے بھی حسد کیا گیا ہے۔

امام اعمش رحمہ اللہ کا اعتراف:

حضرت امام اعمشؒ سے یحییٰ بن آدمؒ نے پوچھا

"ماتقولون فی ھؤلاء الذین یقعون فی ابی حنیفة"

آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو امام صاحب کے بارے میں گستاخی کرتے ہیں آپ نے فرمایا

" انه جاء ھم بمایعقلونه ومالایعقلون فحسدوا"

امام صاحب ان کے سامنے وہ علم لے آئے جن کو یہ لوگ جانتے ہیں اور وہ علم بھی جن کو یہ لوگ نہیں جانتے تو ان لوگوں نے ان کے ساتھ حسد کیا۔

غور کی بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے ہمیں وہ مسائل سکھلائے جن کا حل ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا اور ہم ان کے خلاف پروپیگنڈے کریں یہ بے وفائی اور احسان فراموشی نہیں تو اور کیا ہے؟

کیا امام صاحب پر جرح مقبول ہے؟

بعض لوگوں نے جواپ پر جرح کی ہے وہ یا تو تعصب کی وجہ سے ہے یا احوال امام کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر۔ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ جرح مقبول ہے یا نہیں۔

عیسیٰ بن یونس فرماتے ہیں:

"لاتصدقن احدًا یسیئ القول فیه فانی واللّٰه مارأیت افضل منه ولا افقه"

ہرگز اس شخص کی تصدیق نہ کرو جو وہ امام صاحب کے بارے میں بری بات کہتا ہو بے شک بخدا میں نے ان سے بہتر اور افقہ نہیں دیکھا۔

طبقات التاج السبکی میں لکھا ہے کہ یہ قاعدہ

"الجرح مقدم علی التعدیل"

(جرح مقدم ہے تعدیل پر یعنی اگر کسی پر جرح بھی ہوئی ہو اور اس کی عدالت بھی بیان کی گئی ہو تو جرح مقدم ہوگی) مطلق نہیں ہے۔

"بل الصواب ان من ثبتت عدالته و امامته و کثر مادحوه ومذکوه وندرجارحه و کانت هناک قرینة دالة علی سبب جرحه من تعصب مذهبی اوغیره لم یلتفت الی جرحه"

بلکہ صحیح یہ ہے کہ جس کی عدالت اور امامت ثابت ہو جائے اور ان کی تعریف وتزکیہ کرنے والے زیادہ ہوں اور اس پر جرح کرنے والے کم ہوں اور وہاں قرائن کی وجہ سے جرح کرنے کا سبب معلوم ہو جیسے تعصب مذہبی یا کوئی اور وجہ ہو تو اس جرح کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جاوے گا یعنی وہ جرح قابل قبول نہیں ہوگی۔

یحیٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ امام ابوحنیفہؒ حدیث کے بارے میں سچ اور صحیح بیان کرنے والے تھے فرمایا ہاں وہ صدوق تھے پھر پوچھا گیا کہ امام شافعیؒ حدیث میں سچے نہ تھے؟ تو فرمایا مجھے ان کی حدیث پسند نہیں، اور نہ میں ان کا ذکر پسند کرتا ہوں۔ تو یہاں یحیٰ بن معین نے امام شافعیؒ پر جرح کی ہے لیکن یہ جرح مقبول نہیں ہے۔

چنانچہ ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں:

"لم یتابع یحییٰ بن معین احد فی قوله فی الشافعی"

"امام شافعیؒ کی حدیث کو ساقط کہنے کے بارے میں کسی نے یحییٰ بن معین کی موافقت نہیں کی" اس جرح کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا یعنی یہ جرح مقبول نہیں ہے اور اگر ہم اس کو مطلق قرار دیکر کہیں کہ جرح مقدم ہے تعدیل پر تو ائمہ میں سے کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکتا اس لئے کہ کوئی امام بھی نہیں ہے مگر اس کے بارے میں طعن کرنے والوں نے طعن کیا ہے اور ہلاک ہونے والے اس میں ہلاک ہوئے ہیں۔

یہاں تک کہ امام بخاریؒ پر بھی باوجود جلالت شان کے بعض حضرات نے جرح کی ہے۔ چنانچہ کتاب الجرح والتعدیل میں ہے۔

محمد ابن اسماعیل البخاری ابوعبداللہ قدم علیهم الری سنة مائتین وخمسین رویٰ عن عبدان المروزی وابی همام الصلت بن محمد والفریابی وابن ابی اویس سمع منه ابی

وابوزرعة ثم ترکا حدیثه عندما کتب الیهما محمد بن یحییٰ النیسابوری انه اظهر عندهم ان لفظه بالقرآن مخلوق.

(کتاب الجرح والتعدیل من المجلد الثالث ص ۹۱ وفتح القدیر ص ۳۱۹ ج۳ برحاشیه)

امام صاحب پر جرح کرنے والوں کی امام صاحب سے معذرت

شعرانیؒ نے ابومطیع سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تھا کوفہ میں تھا تو ثوریؒ مقاتلؒ بن حیان، حماد بن سلمۃؒ، جعفرؒ الصادق، وغیرہ فقہاء اندر داخل ہوگئے۔ انہوں نے آپس بات چیت کی اور پھر کہنے لگے:

"بلغنا انک تکثر من القیاس فی الدین وانما نخاف علیک منه فانه اول من قاس ابلیس"

"ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین کے معاملہ میں قیاس سے زیادہ کام لے رہے ہیں جس کی وجہ سے ہم آپ پر ڈرتے ہیں اس لئے کہ سب سے پہلا قیاس ابلیس ہی نے کیا تھا"۔

امام ابوحنیفہؒ نے جمعہ کی صبح سے لیکر زوال تک ان کے ساتھ علمی بات چیت کی اور اپنے مذہب کو ان کے اوپر پیش کیا اور اس کی حقیقت بتلائی۔

فقاموا کلهم وقبلوا یدیه ورکبتیه وقالوا انت سید العلمآء فاعف عنا فیما مضیٰ من وقیعتنا فیک بغیر علم فقال غفر الله لنا ولکم اجمعین.

پس وہ تمام کے تمام فقہاء کرام اٹھے اور آپ کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسہ دیا اور فرمانے لگے کہ آپ تمام علماء کے سردار ہیں ہم بغیر علم کے آپ کے بارے جو غلطی میں پڑ گئے تھے وہ ہمیں معاف کر دیجئے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اللہ ہمیں اور تم سب کو معاف کر دے۔

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ ثوریؒ اور دیگر حضرات نے امام صاحب پر جو جرح کی تھی وہ امام صاحب کے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے کی تھی کہ ان کا مسلک قرآن و حدیث کے خلاف ہے یا عین مطابق جب ان کو حقیقت معلوم ہو گئی تو اقرار کیا کہ یہ تو واقعی صحیح ہے۔ آج بھی اکثر لوگ امام صاحب کے مذہب کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء بے جا اعتراضات طعن و تشنیع وغیرہ کرتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو سمجھ نصیب فرمائے آمین۔

امام صاحبؒ کا اپنے مذہب میں غایۃ احتیاط

امام صاحب ہر مسئلے کو نہایت ہی جستجو اور تلاش کے بعد لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے، باوجودیکہ امام صاحب اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے لیکن پھر بھی ان پر تقویٰ اور اللہ کے خوف کا اتنا اثر تھا کہ جب کسی مسئلہ میں کوئی قول کرتے تو اس کو مستقل علماء کی مجلس میں پیش کرتے تھے۔ تاکہ اس پر اگر کسی کا اعتراض ہو وہ بتا دے جب تمام علماء اس پر متفق ہوتے تب وہ رائے اور اجتہاد باقاعدہ طور پر مکمل ہو جاتا۔

چنانچہ امام ابو جعفر شیرا مازیؒ نے شقیق بلخیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے

کان الامام ابو حنیفة من اورع الناس واعبد الناس واکرم الناس واکثرھم احتیاطًا فی الدین وابعدھم عن القول باالرأی فی دین اللّٰہ عزوجل وکان لایضع مسألة فی العلم حتیٰ یجمع اصحابه علیھاویعقدعلیھامجلسًافاذااتفق اصحابه کلھم علیٰ موافقتھا للشریعة قال لابی یوسف اوغیرہ ضعھافی الباب الفلانی.

مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ تمام لوگوں میں زیادہ پرہیز گار تھے اور زیادہ عبادت کرنے والے تھے اور سب میں عزت مند تھے اور دین کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط کرنے والے تھے اور ان کی احتیاط اتنی زیادہ تھی کہ وہ کوئی علمی مسئلہ وضع نہ کرتے یہاں تک اس پر تمام اصحاب کو جمع کر لیتے اور اس پر ایک مستقل مجلس منعقد کرتے تھے جب تمام اصحاب کسی مسئلہ پر متفق ہو جاتے کہ یہ مسئلہ شریعت کے موافق ہے تو اس کے بعد امام ابو یوسفؒ یا کسی اور شاگرد سے کہتے کہ اس کو فلاں باب میں لکھ دو۔

یہ ہے امام صاحب کی احتیاط دین کے معاملے میں کہ نص کے مقابلہ میں رائے سے دور رہتے تھے اور علماء کی مجلس کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کا کتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ (کذافی المیزان للشعرانیؒ)

ونقل ط عن مسند الخوارزمی ان الامام اجتمع معه الف من اصحابه اجلهم وافضلهم اربعون قد بلغوا احدالاجتهاد فقربهم وادناهم وقال لهم انی الجمت هذاالفقه واسرجته لکم فاعینونی فان الناس قدجعلونی جسرًاعلی النارفان المنتهی لغیری واللعب علیٰ ظهری فکان اذاوقعت واقعة شاورهم وناظرهم فیسمع ماعندهم من الاخبار والآثارویقول ماعنده ویناظرهم شهرًااواکثرحتیٰ یستقل آخرالاقوال فیثبته ابویوسف حتی اثبت الاصول علیٰ هذا المنهاج شوریٰ لاانه تفردبذالک کغیره من الائمة.

طحاوی نے مسندالخوارزمی سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ ان کے ایک ہزار شاگرد جمع ہو گئے تھے ان میں جلیل القدر اور افضل چالیس حضرات خصوصیت کے ساتھ تھے جو سب اجتہاد کی حد تک پہنچ گئے تھے آپ نے ان کو اپنے قریب کیا اور ان سے فرمایا کہ میں نے اس فقہ کو لگام لگائی ہے اور تمہارے لئے اس پر زین کو کس دیا ہے۔ آپ لوگ میری مدد کرو اس لئے کہ لوگوں نے مجھے آگ پر پل بنا دیا ہے یعنی میرے اوپر سے ہوتے ہوئے جائیں گے تو منتہی کسی اور کا ہوگا اور کھیل کود میری پیٹھ پر ہوگی تو جب اس طرح کا کوئی خاص واقعہ پیش آتا امام صاحب ان سے مشورہ کرتے اور ان سے مناظرہ کرتے اور ان کو اپنے پڑوس میں کرتے یعنی قریب

کرتے ان شاگردوں کے پاس جو اخبار یا آثار ہوتے ان کو سنتے اور جو آپ کے پاس ہوتے تھے ان کو بتادیتے اور مہینہ اور کبھی اس سے زیادہ مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ آخری قول ثابت ہو جاتا پھر اس کو امام ابویوسفؒ ثبت کردیتے یہاں تک کہ آپ نے اسی شوریٰ کے ذریعے اصول وضع کردیئے اور یہ نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مذہب میں تفرد کیا ہے جس طرح کہ باقی ائمہ نے کیا ہے۔

یہ عبارت بھی مفہوم کے اعتبار سے ماقبل کی طرح ہے مگر اس میں کچھ تشریح زیادہ ہے جس سے امام ابوحنیفہؒ کا ورع وتقویٰ اور احتیاط فی الدین صاف لفظوں میں معلوم ہوتا ہے۔

(ھکذا فی مناقب ابی حنیفۃؒ للکردیؒ ص ۵۷ وتبییض الصحیفۃ ص ۸۱)

امام صاحب کا صحابیؓ کے اثر کی وجہ سے اپنی رائے کو چھوڑ دینا

زہیر بن معاویۃ سے رایت ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے غلام کے امان کے متعلق پوچھا کہ غلام اگر دشمن کو امان دے تو کیا یہ صحیح ہے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر غلام خود قتال نہیں کرتا تو اس کا امن دینا باطل ہے تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے تو عاصم احول نے بیان کیا ہے اور ان کو فضیل بین یزید الرقاشی نے کہ ہم دشمن کا محاصرہ کر رہے تھے اس دوران ہم نے حضرت عمر بن خطابؓ کو خط لکھا کہ ہمارے ایک غلام نے دشمن کو امن دیا ہے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے لکھ کر بھیجا کہ غلام کے امان کو بجالاؤ۔ یہ سن کر امام صاحب چپ

ہو گئے پھر میں کوفہ سے دس سال غائب رہا دس سال کے بعد آیا تو امام ابو حنیفہؒ کے ہاں حاضر ہوا تو میں نے ان سے غلام کے امان کے بارے میں پوچھا تو امام صاحبؒ نے عاصم کی حدیث کا حوالہ دیا اور اپنے قول سے رجوع کیا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ جو حدیث وغیرہ سنتے ہیں اس کی تابعداری کرنے والے ہیں۔

نیز امام ابو حنیفہؒ سے کسی نے پوچھا "اتخالف النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم" کیا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا "لعن اللّٰہ من یخالف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم به اکرمنا اللّٰہ"

اللہ کی لعنت ہو ایسے آدمی پر جو اللہ کے رسول کی مخالفت کرے انہی کے ذریعہ سے تو اللہ نے ہمیں عزت دی ہے۔

یہ تھا امام ابو حنیفہؒ کا اخلاص اور تقویٰ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تعصب والوں میں سے نہیں تھے آپ کے اخلاص و ورع نے آپ کو حق پر مجبور کیا تھا۔

امام صاحبؒ کا مسائل میں بہت غور کرنا

شیخ ابو زہرہؒ فرماتے ہیں:

وکان عمیق الفکر قبعید الغور فی المسائل لایکتفی بالبحث فی ظواهر الامر والنصوص ولا یقف عند ظاهر العبارة بل یسیر وراء

مراميها البعيدة او القريبة.

امام ابو حنیفہؒ ایک عمیق فکر والے انسان تھے اور مسائل کے اندر بہت دور تک غور کرنے والے تھے اور ظاہری اوامر اور نصوص پر اکتفاء نہیں کرتے تھے اور ظاہری عبارت پر توقف نہیں کرتے تھے بلکہ اس عبارت کے دور اور قریب مقاصد تک جاتے تھے۔

امام صاحب اپنی خواہش سے مسائل نہیں بتاتے تھے

تاریخ بغداد میں ہے:

وكان ابو حنيفة مخلصًا فى طلب الحق وتلك صفة الكمال التى رفعته ونورت واضاءت بصيرته بالمعرفة فان القلب المخلص الذى يخلو من الغرض ودرن النفس والهوىٰ فى بحث الامور وفهم المسائل يقذف اللّٰه فيه بنور المعرفة فتذكو مداركه ويستقيم فكره۔

مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ حق کو طلب کرنے میں نہایت مخلص تھے اور یہی ان کے کمال کی صفت تھی جس نے ان کو اونچا کر دیا یعنی ان کا مرتبہ بلند کر دیا اور اسی صفت اخلاص نے ان کے دل کو منور کر دیا اور ان کی بصیرت کو معرفت کے ساتھ روشن کر دیا اس لئے کہ وہ دل جو مخلص ہوتا ہے وہ غرض اور نفس کے میل وکچیل سے خالی ہوتا ہے اور باقی امور و مسائل کو سمجھنے میں خواہش سے خالی ہوتا ہے اللہ رب العزت اس دل میں معرفت کا نور ڈال

دیتے ہیں تو اس کے فہم وادراک کے آلات تیز ہو جاتے ہیں اور اس کی فکر مستقیم ہو جاتی ہے۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

ولقد خلص ابو حنیفة نفسه من کل شهوة الا الرغبة فی الادراک الصحیح وعلم ان هذا الفقه دین۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے نفس کو ہر خواہش سے خالی اور جدا کر دیا۔ مگر ان کی رغبت ادراک صحیح کی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ فقہ دین ہے۔ (اور دین میں سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہئے) (تاریخ بغداد ص ۳۵۲)

امام صاحبؒ حدیث کی زیادہ پیروی کرنے والے تھے

مناقب ابی حنیفۃ للموفق المکی میں ہے۔

کان ابو حنیفة شدید الفحص عن الناسخ من الحدیث والمنسوخ فیعمل بالحدیث اذا ثبت عنده عن النبی صلی الله علیه وسلم وکان عارفاً بحدیث اهل الکوفة شدید الاتباع لما کان ببلده۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ حدیث میں ناسخ ومنسوخ کی جستجو کرنے والے تھے جب حدیث ان کے سامنے ثابت ہو جاتی اس پر عمل کرتے تھے اور امام ابوحنیفہؒ اہل کوفہ کی احادیث کو زیادہ جاننے والے تھے اور اس کی زیادہ تابعداری کرنے والے تھے۔ (ص ۸۲ ج ۱)

امام صاحبؒ کا روایت حدیث میں احتیاط

امام صاحبؒ روایت حدیث میں بہت محتاط واقع ہوئے تھے جس کا اعتراف بڑے بڑے محدثین نے کیا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں

"کان ابو حنیفة ثقة لایحدث الا مایحفظ ولایحدث بمالایحفظ"

امام صاحب ثقہ ہیں جو حدیث ان کو یاد ہوتی تھی وہی بیان کرتے تھے اور جو یاد نہیں ہوتی تھی اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

امام صاحب کی اس احتیاط کا اندازہ امام وکیعؒ کی اس شہادت سے ہوتا ہے جو انہوں نے دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں جیسی احتیاط امام صاحب سے حدیث میں پائی گئی کسی اور سے نہیں پائی گئی۔ (مناقب الامام للموفق ص ۱۹۷ ج ۲)

بہر حال امام صاحب کی اس احتیاط سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا مذہب بہت محتاط اور قرآن و حدیث سے زیادہ موافق ہے۔

امام صاحب پر قلت حدیث کا الزام:

اسی احتیاط کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ سے احادیث میں روایات زیادہ منقول نہیں ہیں، اس لئے کہ امام صاحب کے شرائط بہت سخت تھے اس پر بعض جاہلوں کو موقعہ ملا کہ حدیث سے امام صاحب کا تعلق کم تھا ورنہ تو عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جو شخص حدیث کو نہیں جانتا ہے لیکن تھوڑی مقدار میں' وہ کیسے مجتہد ہو سکتا ہے۔

حالانکہ مجتہد کے لئے شرائط (جن کا مختصراً تذکرہ ہوگیا ہے) ہیں جس میں سب سے اہم شرط یہ ہے کہ مجتہد کے لئے احادیث پر مکمل عبور ہونا ضروری ہے اگر امام صاحب کو احادیث سے کم تعلق ہوتا تو وہ کیسے بالاتفاق مجتہد ہوتے۔

عقد الجید میں استاذ الکل شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مجتہد وہی شخص ہوسکتا ہے جو قرآن وحدیث، آثار، تاریخ، لغت وقیاس ان پانچ چیزوں پر کافی عبور رکھتا ہو۔

امام صاحب کا علم حدیث سے تعلق

ذیل میں مختصر طور سے ذکر کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو علم حدیث میں کتنی مہارت تامہ حاصل تھی جس کی وجہ سے وہ اجتہاد کیا کرتے تھے تاکہ طعن و تشنیع کرنے والوں کی افواہیں ختم ہوجائیں۔

مسعر بن کدامؒ کی نظر میں:

وہ فرماتے ہیں:

"طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزهدفبرع علینا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ماترون" (مناقب ابی حنیفة ص ۲۷)

میں نے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ علم حدیث حاصل کیا تو وہ ہم پر غالب آگئے زہد میں بھی وہ ہم پر فائق ہوگئے فقہ ان کے ساتھ شروع کی تو تم دیکھتے ہو کہ کیا کمال ان سے ظاہر ہوا۔

یحییٰ بن سعید قطانؒ کی نظر میں:

(جو جرح وتعدیل کے امام ہیں اور بڑے محدث ہیں فن رجال کے ماہرین میں سے ہیں یہ باوجود فضل وکمال کے امام صاحب کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے تھے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے آپ نے اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کی ہے) وہ فرماتے ہیں:

(۱) واللہ لأعلم ھذہ الامة بماجآء عن اللہ ورسولہ.

خدا کی قسم امام ابوحنیفہؒ اس امت میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اس کو جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔

(۲)......نیز فرماتے ہیں:

"جالسنا واللہ اباحنیفة وسمعنامنه وکنت واللہ اذانظرت الیه عرفت فی وجھه انه یتقی اللہ عزّ وجل"

ترجمہ:......واللہ ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجالس میں بیٹھے ہیں اور ان سے استفادہ کیا اور واللہ جب بھی میں ان کے چہرہ مبارک کی طرف نظر کرتا تھا تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ عزّ وجلّ کے خوف وخشیت سے پوری طرح متصف ہیں۔ (رحیمیہ ص ۱۲۴)

امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارکؒ کی نظر میں

(آپ بڑے ائمہ میں سے ہیں اور فن حدیث کے رکن اعظم ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ محدثین عظام کے استاذ ہیں، امام بخاریؒ نے سب سے پہلے عبداللہ بن مبارکؒ کی کتابیں یاد کی تھیں مسلّم طور پر آپ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے بے شمار احادیث ہیں آپ امام ابوحنیفہؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں جب آپ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے علم سے اس قدر متأثر ہوئے کہ اخیر عمر تک آپ سے جدا نہ ہوئے آپ نے امام صاحب کی بڑی وقیع الفاظ میں مدح و توثیق فرمائی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"اختلفتُ الی البلاد فلم اعلم باصول الحلال و الحرام حتّٰی لقیته"

میں تمام شہروں میں علم کی طلب کیلئے گیا ہوں لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ملاقات سے قبل تک حلال و حرام کے اصول سے واقف نہ ہو سکا۔

(۲)...... نیز فرماتے ہیں:

"غلب علی النّاس بالحفظ و الفقه و العلم و الصیا نة و الدیانة و شدّة الورع"

آپ نے اپنے حفظ، فقہ، علم، احتیاط، دیانت اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کی وجہ سے سب پر غلبہ پایا۔ (جامع بیان العلم و فضله)

امام اعمش کوفیؒ کی نظر میں:

(آپ کوفہ کے جلیل القدر محدث وفقیہ بھی تھے باوجودیکہ امام صاحب کے اساتذہ کے طبقہ میں تھے مگر امام صاحب کے تفقہ واجتہاد کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے آپ نے ایک مرتبہ امام صاحب سے چند مسائل میں گفتگو کی آپ نے جواب دیا تو اس کو بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ یہ آپ نے کس دلیل سے دیا ہے امام صاحب نے فرمایا فلاں احادیث سے جو آپ ہی سے سنی ہیں۔امام اعمشؒ اس پر اور متحیر ہوئے اور فرمایا بس کافی ہے آپ نے تو حد کردی میں نے جو احادیث سو دن میں تم سے بیان کی وہ آپ نے ایک ہی ساعت میں سنا دیں مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کر رہے ہیں اور فرمایا (ان کا یہ جملہ بہت ہی مشہور اور حقیقت پر مبنی ہے)

"یامعشر الفقهاء انتم الاطبّاء ونحن الصیاد لة"

"اے فقہاء کی جماعت آپ لوگ طبیب ہیں اور ہم صرف عطار (دوافروش) ہیں"

امام مالک رحمہ اللہ کی نظر میں:

ایک مرتبہ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے چند محدثین کا حال دریافت فرمایا آپ نے بیان فرمایا پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا "سبحان اللّٰہ لم ار مثله" سبحان اللہ وہ عجیب شخص تھے قسم بخدا میں نے

ان کی طرح کسی کو نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان ص ۲۹)

امام شافعی رحمہ اللہ کی نظر میں:

آپ فرماتے ہیں:

"الناس عیال فی الفقه علیٰ ابی حنیفة ما رأیت ای علمت احدًا أفقه منه"

ترجمہ:...... لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں میں نے ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی نظر میں:

وہ فرماتے ہیں:

"انّه من اهل الورع والزهد وایثار الآخرة بمحلّ لایدرکه احدٌ"

امام ابوحنیفہ علم وتقویٰ زھد واختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکا۔

ابوالمحاسن شافعیؒ کی نظر میں:

انہوں نے اپنی کتاب عقود الجمان' میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے جس میں انہوں نے امام صاحب کے حدیث سے خصوصی تعلّق، کثرت روایت اور ان کا حفاظ حدیث میں ہونے کو ذکر کیا ہے۔

جب بھی کوفہ میں کوئی محدث تشریف لاتے آپ ان سے استفادہ کرتے تھے، امام صاحب کے شاگرد محدث عبدالعزیز سے نقل کیا گیا ہے۔

ذکر علم ابی حنیفة بالحدیث فقال قدم الکوفة محدّث فقال ابو حنیفة لاصحابه انظروا اهل عنده شیٔ فی الحدیث لیس عندنا قال وقدم علینا محدث فقال لاصحابه مثل ذالک.

(المناقب للذهبی ص ۸۳ ج ۱)

انہوں نے امام صاحب کے علم حدیث کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ایک بار کوفہ میں ایک محدث تشریف لے آئے تو امام صاحب نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا دیکھو ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جو ہمارے پاس نہ ہو، عبدالعزیز کا بیان ہے کہ دوسری مرتبہ ایک اور محدث آئے جب بھی آپ نے یہی فرمایا (اس سے امام صاحب کے حدیث کے ساتھ تعلق ومحبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے)

مناقب ابی حنیفة للموفق میں ہے کہ حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہؒ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے جن میں دو ہزار حماد کی حدیثیں تھیں اور دو ہزار دیگر مشائخ کی تھیں۔

فقہاء کی اختیار کردہ احادیث دیگر احادیث سے راجح ہوتی ہیں

اس سے پہلے امام صاحب کا حدیث کے ساتھ تعلق بیان ہوا کہ حدیث کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی کتنی زیادہ محبت تھی اسی وجہ سے علماء کرام اس حدیث کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں جس کو فقہاء نے ترجیح دی ہو۔ چنانچہ امام ابن ابی حاتم رازیؒ اپنی کتاب "الجرح و التعدیل" (ص ۲۵۔۲۷) میں فرماتے ہیں۔

کان حدیث الفقهاء احبّ الیهم من حدیث المشیخة

شیوخ کی حدیث سے فقہاء کی اختیار کردہ حدیث ان علماء کرام کو بہت محبوب تھی۔ نیز حدیث فقاہت کو افضل سمجھ کر اسی وجہ سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ امام احمد حنبلؒ نے فرمایا

"معرفة الحدیث و الفقه احب الی من حفظه"

حدیث کی معرفت اور اس کے اندر فقاہت میرے نزدیک اس کے یاد کرنے سے بہتر ہے۔

(منهاج السنة النبویة ص ۱۱۵ ج ۴)

امام علی ابن المدینی (جو امام بخاری کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں

"اشرف العلم الفقه فی متون الاحادیث ومعرفة احوال الرواة"

سب سے اشرف علم متون حدیث کے اندر فقاہت ہے اور راویوں کے حالات کا جاننا ہے۔

(حاشیۃ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ص ۰۷)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شرافت والا علم ائمہ مجتہدین خصوصا امام الائمۃ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل تھا۔

خلاصہ

دوسری فصل کا خلاصہ یہ ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن وحدیث کی مخالفت نہیں کی ہے اور اپنی رائے اور اجتہاد کو قرآن وحدیث کے مقابلے میں ترجیح نہیں دی۔

آخری عرض

اس رسالہ کو پڑھنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک صحیح ہے اور اس پر کئے جانے والے اعتراضات بے جا ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لہٰذا اس رسالہ کو بلا تعصب انصاف کی نظر سے دیکھیں اور اس پر عمل کریں۔

دعا ہے اللہ ہم سب کو شریعت مطہّرہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اولیاء اللہ کی گستاخی سے باز رکھیں۔ آمین۔

کتبہ

علی الرحمٰن فاروقی

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علاّمہ محمد یوسفؒ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

مدرّس: مدرسہ ارشاد العلوم یوسفیہ کھتری مسجد جونا مارکیٹ کراچی۔

و

مدرسہ اویس قرنی غوثیہ کالونی کراچی۔